بسم اللہ الرحمن الرحیم

مروجہ دعوت وتبلیغ سے متعلق

دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کی تشریح

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا   اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کا تحریر کردہ جواب متعلقہ تبلیغی جماعت ترجمان دیوبند میں مئی ۲۰۱۵ء کے شمارہ میں طبع ہوا ہے۔ استفتاء علماء وائمہ کانپور کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔ اسلئے اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور جواب بھی ایسی معقولیت کا متقاضی تھا کہ کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ رہے۔ اس کام کے لئے دارالعلوم دیوبند نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا انتخاب کیا اور بہتر انتخاب کیا۔ جواب حضرت مفتی صاحب کی خوبی تحریر کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حزم واحتیاط اور علم وفضل کا بھی شاہکار ہے۔ ایک ایسے نازک اور حساس مسئلے پر قلم اٹھانا کہ ؎

اگر گویم زباں سوزد   نہ گویم گلستاں سوزد

کا مصداق ہو یقیناً کسی ماہر علم وفن شخصیت ہی کو زیبا تھا ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس خیر وخوبی کے ساتھ اس مرحلے کو سر نہیں کرسکتا تھا۔ جس طرح حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے بڑی آسانی کے ساتھ سوال کا جواب تحریر فرمادیا۔

استفتاء چونکہ علماء وائمہ کیجانب سے کیا گیا تھا اور موضوع اپنے اندر بڑی حساسیت رکھتا تھا اسلئے بہت محتاط لب ولہجے کی ضرورت تھی، نہ ایسا کہ خرمن ہی کو جلا کر خاکستر کردے، اور نہ ہی ایسا کہ سلگتے ہوئے جذبات کو مشتعل کردے۔ ہر دو پہلو کی رعایت کرتے ہوئے جواب تحریر کرنے کی ذمہ داری حضرت مفتی صاحب نے بحسن وخوبی پورا فرمایا۔

جواب اتنا معتدل اور فکر انگیز ہے کہ اگر ایک طرف اہل جماعت کی غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے تو دوسری طرف علماء وائمہ کی کمزوریوں پر ان کو متنبہ بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کمزوریوں سے کون خالی ہوسکتا ہے؟ لیکن اگر تنبیہ کے بعد ان کی اصلاح کرلیجائے تو بڑی سے بڑی غلطی قابل عفو ہوجاتی ہے۔ اور اگر چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انکی اصلاح سے صرف نظر کرلیا جائے تو یہی معمولی اور چھوٹی غلطیاں ایک دن اتنی سنگین اور بڑی ہوجاتی ہیں کہ پہاڑ بھی ان کے سامنے چھوٹا نظر آنے لگتا ہے۔ جماعت کے ذمہ داروں سے یہی چوک ہوئی کہ شروع میں معمولی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور ان کی بیجا تاویل نے اب انھیں اتنا سنگین بنادیا کہ محتاط سے محتاط شخص کے قلم سے بھی بے اختیار ان کا ذکر ٹپک پڑتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی وفقہی بصیرت میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ شریعت کیجانب سے انھیں اسکا حق واختیار ہے کہ وہ اپنی دینی وعلمی بصیرت کی روشنی میں ہم سب کی

اصلاح فرمائیں اور جس بات پر تنبیہ کیضرورت محسوس کریں ہمیں تنبیہ فرمائیں کیونکہ جس عالی منصب پر وہ فائز ہیں ان کے منصب کی ذمہ داری ان سے یہی مطالبہ کرتی ہے ۔

جواب کے غامض رموز واشارات سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہونیکی وجہ سے ممکن ہے لوگ کچھ کا کچھ سمجھ لیں اسلئے ناچیز مختصراً اسکی وضاحت اور تشریح پیش کرتا ہے تاکہ جواب کو سمجھنے میں غلطی نہ ہو اور حضرت مفتی صاحب نے جن خامیوں کی نشاندہی فرمائی ہے خواہ اسکا تعلق جماعت تبلیغ سے ہو یا علماء کرام وائمہ عظام سے، پہلی فرصت میں اسکی اصلاح کی کوشش کریں ۔حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے جواب شروع فرمانے سے قبل بطور تمہید چند ضروری اور اہم باتیں بیان فرمائی ہیں جن کو جواب سے پہلے سمجھ لینا ضروری ہے اور ان باتوں کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے ۔چونکہ مفتی صاحب کا ارشاد خیر الکلام ماقل ودل کا مصداق اور آئینہ دار ہے اس لئے اس کی وضاحت اور تشریح ضروری ہے ہم پہلے نمبر سے اس کی تشریح شروع کرتے ہیں ۔ واللہ الموفق ۔

حضرت مفتی صاحب نے بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ''کار نبوت ایک کلی ہے اور اس کی بیشمار جزئیات ہیں'' یعنی تعلیم وتعلم ،تصنیف وتالیف ،قتال وجہاد ،دعوت وتبلیغ وغیرہ سب اسی کلی کی جزئیات ہیں ۔انمیں بعض بہت اہم ہیں اور بعض کم اہم ہیں ہر ایک کا تفصیلی تذکرہ ضروری نہیں کیوں کہ اس میں خواہ مخواہ طوالت ہے ۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان تمام کاموں کے جامع تھے ،وہ معلم ومبلغ بھی تھے ،مرشد ومربی بھی

تھے ،مجاہد وسپاہی بھی تھے ان کی ذات میں اللہ نے تمام کارہائے نبوت کی جزئیات کو جمع فرما دیا تھا مگر بعد میں صلاحیتوں کے کمزور ہونے کی وجہ سے امت کے مختلف طبقات نے تقسیم کار کے طور پر اپنے حسب صلاحیت کام کو اختیار کر لیا ۔ایک طبقہ نے تصنیف وتالیف کا کام سنبھال لیا ،دوسرے طبقہ نے درس وتدریس کی ذمہ داری اٹھالی ،تیسرے طبقے نے دعوت وتبلیغ کے لئے اپنے کو وقف کر دیا ،چوتھے طبقے نے اصلاح وارشاد کے ذریعہ کام کو آگے بڑھایا ،پانچویں طبقے نے جہاد وقتال کا میدان اپنایا ،اس طرح الگ الگ جماعتیں وجود میں آگئیں لیکن ان سب میں باہم اتفاق واتحاد تھا ہر ایک دوسرے کا معاون تھا مخالف مزاحم نہیں تھا ۔بعض اولیاء کرام کی محنتوں سے ہزاروں لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا ،مگر ان کی تعلیم وتربیت کا معقول نظم نہ ہونے سے وہ جہالت کا شکار ہو گئے ،ان نومسلموں کی خبر گیری نہ ہونے کی وجہ سے وہ سارے نومسلم برائے نام مسلمان رہ گئے ،حتیٰ کی دار العلوم کا قیام عمل میں آیا ۔جس کے ذریعہ سے مسلمانوں میں علم دین کی روشنی پھیلنے لگی اور تعلیم وتبلیغ کا بازار پھر گرم ہوا ،انھیں علماء دیوبند میں سے اللہ نے ایک ایسے مجدد کو پیدا فرمایا جس نے اپنی دینی خدمات کی ہمہ جہتی اور تجدیدی کارناموں سے پورے ہندوستان کو متاثر کیا ،تصنیف وتالیف ،درس وتدریس ،وعظ وارشاد ،اصلاح وتربیت ،دعوت وتبلیغ سب ایک ذات میں جمع تھے ۔اس مجدد وقت اور حکیم الامت کا نام نامی اسم گرامی تھا ''حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ'' جنھوں نے میوات واطراف کے علاقوں میں

تربیت شدہ علماء مبلغین کو بھیج کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ میوات میں دینی تبلیغ کی ابتداء حضرت حکیم الامتؒ نے ہی فرمائی تھی جو بعد میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی توجہ کا مرکز بنا۔

حضرت مولانا مفتی زید صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو اپنی کتاب ”کارکنان تبلیغ الخ“ میں مستند حوالوں کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

”اس وقت حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی اصلاحی ودعوتی کوششیں عروج پر تھیں دعوت وتبلیغ کے تعلق سے آپ کے مسلسل اسفار بھی ہوتے تھے، اصلاحی مجالس کا سلسلہ بھی قائم تھا، ایک زمانہ میں کانپور کے علاقہ قصبہ گھمپور ضلع کان پور میں ارتداد کی خبر سنی تو آپ دعوت وتبلیغ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ خود تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ فرمائی، ایک عرصے کے بعد آگرہ اور اس کے اطراف کے دیہی علاقوں میں فتنہ ارتداد رونما ہوا اس کے لئے بھی آپ فکرمند ہوئے۔ چنانچہ اسی وقت عمومی پیمانے پر آپ نے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ قائم فرمایا، حالات اور ضرورت کے مطابق ارتداد زدہ علاقوں میں خصوصاً آگرہ اور اس کے اطراف میں آپ نے علماء ومبلغین کی جماعت روانہ فرمائی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اس وقت جو کوششیں جاری تھیں اس میں پیش پیش بلکہ یوں کہئے کہ سرگرم رکن یہ بزرگ بھی تھے، جن کو ہم مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ سے یاد کرتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کی تجویز کے مطابق آپ نے ارتداد زدہ علاقوں میں وفد کے ساتھ دعوتی وتبلیغی دورے فرمائے، سفر کی روداد اور کارگزاری حضرت تھانویؒ کی خدمت

میں لکھ کر بھیجی جاتی، حضرت تھانوی اس کے جواب میں ہمت افزا کلمات اور دعاؤں سے ان کی تقویت فرماتے جس سے ان کے حوصلے اور بلند ہوتے۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی وفد میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شمولیت کا تفصیلی تذکرہ اور دوسرے بزرگوں نے بھی فرمایا ہے بالخصوص حضرت الاستاذ مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ”الکلام البلیغ“ میں پچاسوں صفحات پر مشتمل مستند اکابر علماء وکتب کی عبارتیں پیش کر کے یہ بتلایا ہے کہ میوات کی تبلیغی جدوجہد میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قبل ان کے والد اور بھائی اور محدث سہارن پوری حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم کی مساعی کی برکتیں ظاہر ہونے لگی تھیں اور ان حضرات کی مسلسل محنت برگ وبار لانے لگی تھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے تو اپنے دو خلفاء کو اس کام پر مامور فرما رکھا تھا جو وہاں مستقل قیام پذیر تھے، اور حضرت تھانویؒ دعا وتوجہات کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچاتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کے ساتھ اس خدمت میں شریک کار رہے۔ پھر بعد میں ان کی پوری توجہ اور محنت کیوجہ سے اس کی نسبت ان کی طرف کی جانے لگی اور اس کا مرکز نظام الدین قرار پایا۔ نظام الدین مرکز بننے سے پہلے کام قدیم طرز پر ہوتا رہا اور سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق تبلیغی جدوجہد جاری رہی، البتہ جب کام پورے طور پر سمٹ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی

طرف آ گیا تو اس کی نوعیت میں تھوڑی تبدیلی آئی ۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم کا یہ جملہ ’’کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ اکابر دیوبند کی رہنمائی میں دعوت وتبلیغ کی داغ بیل ڈالی‘‘ کام کے اس قدیم طرز کی طرف اشارہ کرتا ہے جو سلف وصالحین سے ہوتا چلا آیا تھا۔ اکابر دیوبند میں اس وقت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب اور محدث عظیم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہما حیات تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ہدایتوں اور دعاؤں کے زیر سایہ کام کافی حد تک آگے بڑھ چکا تھا...... اور نہایت عمدہ نتائج نکلنے شروع ہو گئے تھے۔

پھر جب کام کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے کندھوں پر آئی تو ان میں بعض ایسے اعمال واشغال کا اضافہ ہوا جو ان اکابر کے زمانہ میں نہیں تھے اسی کو حضرت مفتی محمد سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے ’’اور ایک خاص نہج پر کام شروع کیا‘‘ سے تعبیر فرمایا۔ یہ خاص نہج کیا تھا جس کو مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا تھا، اس کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے وقت میں کام کرنے والے علماء تھے۔ اشرف السوانح میں وہ ساری تفاصیل درج ہیں اور ان مبلغین علماء کے اسماء گرامی بھی ملتے ہیں جو اس تبلیغی خدمت پر حضرت تھانویؒ علیہ الرحمہ کی طرف سے

مامور تھے۔ جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے گشت وغیرہ کا عمل شروع فرمایا تو اس میں علماء کی تربیت یافتہ جماعت کے بجائے زیادہ تر غیر عالم ہوتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری ایام میں جب اسی طرح کی جماعت تھانہ بھون بھیجی گئی تو حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کو یہ معلوم ہو کر کہ ’’مبلغین‘‘ میں علماء نہیں بلکہ بے علم لوگ شامل ہیں، انقباض پیدا ہوا۔ اور اس پر اپنا عدم اطمینان ظاہر فرمایا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا قول ’’کیا تبلیغی کام ضروری ہے‘‘ کے صفحہ نمبر ۸۵ پر مذکور ہے۔

’’مولانا تھانویؒ کی محتاط اور دور رس طبیعت کام کا جاہلوں کے سپرد کرنے سے مطمئن نہ تھی۔ مولانا کی طبیعت کھٹکتی تھی کہ کہیں اس طریقہ سے کوئی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو اور یہ بے اطمینانی تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضۂ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔‘‘

اسی طرح حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی سوانح میں حضرت مولانا علی میاںؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

’’مولانا تھانویؒ کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضۂ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جنکا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور کچھ نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔‘‘

اس مزید اطمینان ہونے کے جملے پر حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ ''الکلام البلیغ'' میں فرماتے ہیں۔

یہ مولانا ندوی (علیہ الرحمہ) کا خیال ہی خیال ہے۔مولانا ہرگز مطمئن نہیں تھے جیسا کہ مختلف رسائل اور تصنیفات میں شد و مد سے عقلی و نقلی دلائل سے اس پر انکار و نکیر ثابت ہے۔ممکن ہے مولانا ظفر احمد صاحب کے بیان پر مولانا تھانویؒ نے سکوت و اغماض فرمایا ہو جس سے راوی نے اپنے فہم سے اطمینان سمجھ لیا ہو،

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ خلیفہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حضرت الاستاذ مولانا محمد فاروق صاحب اترانویؒ نے جب یہ عریضہ ارسال فرمایا کہ،،

یہ سن کر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے مزاج مبارک کے خلاف ہے نہیں شریک ہوا۔مگر کوئی صحیح طور سے بتانے والا نہ ملا کہ حضرت حکیم الامتؒ واقعی خوش نہیں تھے بلکہ اکثریت اسی طرف رہی کہ حضرت نے دعا فرمائی اور مبارک باد دی اور اس طرز کو پسند فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

تو حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی نے جواباً تحریر فرمایا'' کہ یہ کسی راوی نے اپنے فہم سے سمجھ لیا''

تبلیغ کا جو سلسلہ حضرت مولانا تھانویؒ نے جاری فرمایا تھا وہ سلف صالحین کے

طرز کے مطابق تھا جسمیں مبلغ اور داعی صاحب علم ہوا کرتے تھے۔جب بعد میں اس میں بے علم لوگ شامل ہوتے گئے تو کام کی نوعیت بدل گئی اس تبدیلی کا انجام وہ اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تو اس کی ہمت افزائی فرمانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔(جیسا کہ بعض تبلیغی لوگ دعوی کرتے ہیں)

حضرت مولانا عبدالباری ندوی اپنی کتاب تجدید تعلیم وتبلیغ کے صفحہ نمبر ۱۷۱ پر فرماتے ہیں۔

''کام کا طریق حضرت (تھانوی) کے مذاق و معیار سے مختلف تھا حضرت کا خاص مذاق ہر چھوٹے بڑے کام میں قدم قدم پر توازن و توسط حدود و اعتدال کا غایت اہتمام تھا۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا رنگ بڑا عاشقانہ تھا احقر کو جب جب زیارت ہوئی اسی کا تجربہ ہوا لیکن بڑوں کی ہر بات نقل و اتباع کی نہیں ہوتی 'عشاق میں جو چیز'' جوشش عشق است نے ترک ادب'' ہوتی ہے اس کی نقالی بارہا'' زشت باشد روئے نازیبا و ناز'' ہوجاتی ہے۔''

الغرض دونوں بزرگوں کے کاموں میں یہ جوہری فرق تھا جو اوپر مذکور ہوا کہ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ اس اہم کام کو جاہلوں کے سپرد کرنے کے حق میں ہرگز نہیں تھے وہ بے علموں کو اس کا اہل ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ ،، کا مصداق قرار دیتے تھے جیسا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ کے حوالے سے اوپر مذکور ہوا۔لیکن مرکز نظام الدین سے اس توازن واعتدال کی رعایت نہیں

رکھی گئی جو حضرت تھانوی کا مزاج ومذاق تھا جس کے سبب آج کام میں اعتقادی ،نظریاتی وعملی خرابیاں روزافزوں ہیں۔

بات لمبی ضرور ہو گئی لیکن حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے جملوں کی معنویت اس تفصیل کے بغیر سمجھ میں آنی مشکل تھی اس لئے یہ طوالت اختیار کی گئی۔ بڑوں کے مختصر جملوں میں بعض اوقات بڑی گہرائی ہوتی ہے جسکو سمجھ پانا ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا اس لئے ضروری معلوم ہوا کی اس کی تشریح وتوضیح میں اجمال واختصار سے کام نہ لیا جائے تا کہ بات پوری طرح سمجھ میں آجائے۔

وہ ''خاص نہج ''جس کا ذکر اوپر آیا اور جس کا سلسلہ مرکز نظام الدین سے شروع ہوا ،یہ سب کچھ غلبۂ حال میں ہوا جس کو حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کے الفاظ میں عاشقانہ رنگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔حضرت الاستاذؒ الکلام البلیغ میں لکھتے ہیں۔

> حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی طبیعت میں ایک بے قراری تھی جو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ایک بے چینی تھی جو چین نہیں لینے دیتی تھی ایک سوز دروں تھا جس سے سینہ سلگتا رہتا تھا،ایک فکر تھی جس نے دن کے چین اور راتوں کی نیند کو حرام کردیا تھا ایک دھن تھی،ایک لگن تھی'' (صفحہ نمبر ۲۰۸)

مغلوبیت حال اور عشق و دیوانگی کی کیفیت آداب وقواعد کی پابند نہیں ہوتی اس لئے یہ اوصاف محمود وپسندیدہ ہونے کے باوجود شرعاً حجت ودلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے نہ بعد کے لوگوں کے لئے اس کی پیروی لازم ہے۔جس طرح عشق ومحبت قاعدے

قانون کی پابند نہیں اسی طرح بزرگوں کی عقیدت ومحبت میں بھی لوگ ضابطۂ شریعت کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ضابطے اور قانون سے باہر نکلنے ہی کو بے اعتدالی اور کجروی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مغلوب الحال ہوتا ہے وہ تو قابل عفو ہوتا ہے لیکن جو اس مقام ومرتبے کا نہیں ہوتا اس سے مواخذہ ہوسکتا ہے۔کسی کی عقیدت میں شرعی ضابطوں کی حدیں پھلانگ جانا مذموم وقبیح ہے جس کی حوصلہ افزائی کسی قیمت پر نہیں کی جاسکتی۔

اس کے برعکس حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں قدم قدم پر اعتدال ومیانہ روی تھی اور اعتدال ہی عندالشرع مطلوب ہے۔بے اعتدالی بسا اوقات بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں کا پیش خیمہ بنتی ہے۔کوئی بزرگ اللہ کے نزدیک چاہے جتنی مقبولیت رکھتا ہو شریعت محمدی اس کی بے ضابطگیوں کو کبھی قبول نہیں کرتی۔

وہ مکہ ہے جہاں دیوانگی بھی عین ایماں ہے　　مدینہ میں جو دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

یہاں بڑے حزم واحتیاط اور تیقظ وبیداری کی ضرورت ہے ذرا سی چوک اور غفلت کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔اس لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بار بار علماء سے کہتے کہ میرے کام اور احوال کی نگرانی رکھو اور جہاں ضرورت سمجھو مجھے ٹوکو، وہ اپنی للّٰہیت وخلوص اور شریعت محمدی کی پاسداری کی بدولت سلامتی سے گذر گئے لیکن ان کے انتقال کے بعد ہی سے گڑبڑیاں ظہور میں آنے لگیں اور ایک موقع وہ تھا جب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت تھانویؒ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی اور فرمایا تھا کہ ''یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں چھیڑتے''

لیکن آگے چل کر خود انھیں کو اہل تبلیغ کی بے اعتدالیوں کی اصلاح کے لئے رسالہ تصنیف کرنا پڑا بقول مولانا عبدالباری ندوی ''بڑوں کی ہر بات نقل و اتباع کی نہیں ہوتی'' مگر لوگوں نے اسی ''ہر بات'' کی پیروی شروع کر دی۔ بزرگوں سے عقیدت و محبت میں شرعی حدود و آداب کا پاس و لحاظ عوام الناس نہیں کر پاتے۔ یہ ذمہ داری خواص کی ہوتی ہے کہ وہ قدم قدم پر نگرانی رکھیں کہ کام کا منہج و طریق شرعی حدود کے باہر نہ جانے پائے۔ مگر پورے حالات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ اس معاملے میں خواص کا حال بھی عوام سے مختلف نہیں رہا جس کو اب شدت سے محسوس کیا جانے لگا۔

جب تک حضرت مولانا محمد الیاسؒ زندہ تھے اور کام کو اکابر کے مشورہ کے مطابق انجام دیتے تھے اس کے فوائد و برکات کا زیادہ سے زیادہ ظہور ہوتا رہا۔ میوات کی کافی اصلاح ہوئی، مسجدیں بن گئیں بہت سے مکاتب اور مدارس کا اجراء ہوا حفاظ اور علماء تیار ہونے لگے اور تبلیغی محنت اپنے پیش رو بزرگوں اور سلف صالحین کے طرز پر رہی، وہی مکاتب و مدارس قائم کرنے کی کوشش، وہی بیعت و تلقین، وہی وعظ و تذکیر کے جلسے، وہی اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کا مشورہ اور کوشش امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر وغیرہ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بزرگوں کے ساتھ لگے رہے تھانہ بھون حاضر ہو کر حضرت تھانویؒ سے ہدایات و مشورے لیتے رہے۔ لیکن ان کے بعد اس صورت حال میں بھی تبدیلی آئی۔ اور علماء کی کڑی نگرانی کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تو کام میں فرق آنا شروع ہو گیا

۔ شروع شروع میں بزرگوں کی برکتیں شامل حال تھیں اس لئے وہ فرق زیادہ محسوس نہیں کیا گیا۔ لیکن جیسے جیسے اکابر اور حضرت مولانا الیاسؒ کے زمانے سے دوری بڑھتی گئی بگاڑ کے اثرات بھی نمایاں ہونے لگے۔

پہلے تو اس کا دائرہ محض عملی بگاڑ تک ہی محدود رہا لیکن پھر اعتقادی و نظریاتی فساد بھی ظاہر ہونے لگا تفصیل کا موقع نہیں صرف اشارے کی حد تک عرض کر دینا مناسب ہے ۔ اپنے ہی طریقہ کو سب پر فوقیت دینا اور اسے ہر ایک پر لازم قرار دینا، جس کام کو محض عوام کے فائدے کی غرض سے شروع کیا گیا تھا اس کو واجب سمجھنا اور سمجھانا، جس میں عوام ہی نہیں علماء بھی شامل ہیں، آیات جہاد و قتال میں معنوی تحریف کرنا، اپنے غیر شرعی کام کو، جہاد و قتال کی ساری فضیلتوں کا مستحق سمجھنا، اپنے مخصوص و متعین طریقۂ تبلیغ کو اصل دین سمجھنا، باقی تمام دینی شعبوں کی تحقیر و اہانت کرنا، علماء کرام سے دوری اور بدظنی رکھنا، مدارس اور خوانق کو غیر ضروری اور غیر مفید باور کرانے کی کوشش بلکہ اس کے متوازی و متقابل ایک نیا نظام بنانا، قرآن و حدیث کی من مانی تشریحات کر کے عوام کو خبط میں مبتلا کرنا، حضرت مولانا الیاس صاحب کو بعض تبلیغیوں کی جانب سے الہامی نبی قرار دیا جانا، اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ان کے ارشادات و فرمودات کو حرف آخر سمجھنا، باقی تمام اکابر کا نام تک لینے سے گریز رکھنا، اور ان کی کتابوں کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اس سے توڑ پیدا ہوتا ہے، مباحات و مستحبات کو واجب سے اہم بتانا، عوام الناس کے ساتھ ساتھ خواص میں بھی غلو فی

الدین اور تحریف کے جراثیم کا سرایت کر جانا وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سب خرابیاں بعد میں آئیں ہیں، لیکن ناچیز کے نزدیک یہ اعتقادی وعملی خرابیاں شروع دور ہی سے مسلسل مشاہدہ میں آرہی تھیں لیکن آئندہ کی اصلاح کی امید اور اس کے کچھ فائدے کے پیش نظر مہلت اور چھوٹ دی گئی اور نرمی و چشم پوشی سے کام لیا گیا جسکا نتیجہ یہ ہے آج یہ بگاڑ وفساد نا قابل اصلاح ہو چکے ہیں، علماء کی تنبیہات صدا بہ صحرا ہو چکی ہیں اور ایک نئے فرقے کے وجود میں آنے کا پورا ماحول بنایا جا چکا ہے اب اگر انتظار ہے تو صرف اعلان واظہار کا کہ کب مرکز نظام الدین کے امراء باقاعدہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علماء دیوبند سے رشتہ توڑنے کا اعلان فرماتے ہیں۔ فعلاً و عملاً تو دارالعلوم دیوبند کی ہدایات وفتاوی کو وہ اپنے دستور سے خارج کر چکے ہیں اور اس کے خلاف بڑی آزادی اور بے باکی سے عمل پیرا ہیں۔ صرف قولی ولسانی طور پر اپنے استقلال کا اعلان باقی رہ گیا ہے۔ اس کی مثال میں دیوبند کے دوفتووں کا ذکر مناسب ہے ۔(۱) عورتوں کی تبلیغی جماعت کے بدعت ہونے کا فتوی پچاسوں سال سے دیا جا رہا ہے لیکن نظام الدین کے امیروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ (۲) اسی طرح قرآنی آیات کے خلاف من مانی تشریح پر صریح گمراہی کا فتوی امیر مرکز کے متعلق صادر ہو چکا ہے مگر مرکز سے اس کی کوئی صفائی آج تک نہیں دی گئی کیونکہ ان کے نزدیک دیوبند کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ فتوے دیا کرے ان کی صحت پر کیا فرق پڑتا ہے۔ جب کہ ملت اسلامیہ

کا مرکز ہونے کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند تمام مسلمانوں کا دینی مرکز ہے اور اس کا فیصلہ و فتوی مسلّم ہے اگر جماعت والے اسے غیر اہم سمجھتے ہیں تو اس طرح وہ اپنے آپ کو سواد اعظم سے کاٹ کر اپنے حق میں ہی نقصان کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کے فرمانے کے مطابق یہ دونوں سلسلے یعنی دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ دین بڑے مبارک ثابت ہوئے کیوں کہ اس کی باگ ڈور علمائے راسخین اور اولیاء کاملین کے ہاتھوں میں تھی اور الحمدللہ دیوبند آج بھی بافیض ہے اس کی بدولت جہالت ختم ہوئی اور علم کی روشنی سے مسلمانوں کی کایا پلٹ ہو گئی۔ تبلیغی سلسلہ بھی خوب پھولا پھلا، عوام بڑی تیزی سے اس کے ساتھ جڑے، بہتوں کی اصلاح ہوئی اور گھر گھر دین کا چرچہ ہونے لگا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کے اندر غلو پیدا ہوا اور لوگ بس اسی طریقے کو دین سمجھنے لگے جس سے ملت کا سخت نقصان ہوا۔ حضرت مفتی صاحب کے آخری جملے بظاہر جملہ شرطیہ ہیں لیکن در حقیقت یہ اظہار واقعہ ہیں یعنی دین کا نقصان ہوگا نہیں بلکہ ہو چکا ہے آگے مزید وضاحت آ رہی ہے وہاں بات صاف ہو جائے گی۔

(۲) دوسرے جزء میں مفتی صاحب نے مساجد کے ائمہ وعلماء کو توجہ دلائی ہے کہ اگر وہ عوام سے رابطہ میں رہیں تو مساجد میں دینی کام ان کی ذمہ داری اور نگرانی میں چل سکتے ہیں اور عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ اگر وہ صرف نماز پڑھانے ہی سے مطلب رکھیں گے تو ظاہر ہے کہ کام نہیں ہوگا، یا ہوگا تو غلط طریقے سے ہوگا۔ تبلیغ والے اپنی مرضی

کے مطابق کریں گے پھر بعد میں شکایتیں پیدا ہوں گی۔اس لئے علماء وائمہ یہ ذمہ داری سنبھالیں اور مل جل کر کام کو آگے بڑھائیں۔تبلیغ والوں کے ایک دو دن کے قیام سے کام پائیدار نہیں ہوتا۔مسجدیں تو حقیقت میں ائمہ وعلماء ہی کے دائرہ کار میں آتی ہیں لیکن جب وہ اپنا کام نہ کریں گے تو دوسرے لوگ یقیناً تصرف کریں گے۔حضرت مفتی صاحب نے یہاں صرف سوال قائم کیا کہ ''کہ دیکھنا یہ ہے کہ مساجد کس کے دائرہ کار میں آتی ہیں ؟ علماء ان کو اپنے دائرہ کی چیز سمجھتے ہیں......اور تبلیغ والے مساجد کو اپنا دائرۂ کار سمجھتے ہیں۔'' اس کے آگے کچھ نہیں فرمایا، البتہ جواب کے انداز سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مساجد کو علماء ہی کے دائرۂ کار میں سمجھتے ہیں۔کیوں کہ بعض ائمہ وعلماء کے طرز عمل کی جو شکایت انھوں نے فرمائی ہے وہ اسی بات کی غماز ہے۔اگر یہ لوگ توجہ کرتے تو صورت حال خراب نہ ہوتی اور جماعت والوں کا عمل دخل و بے جا تصرف مساجد میں نہ ہوتا۔مزید براں حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ ''مگر وہ ایک دو دن قیام کر کے چلے جاتے ہیں الخ۔'' اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔یعنی تبلیغ والے اس سے زیادہ مسجدوں میں اپنا حق نہ جتائیں کیوں کہ ان کا قیام مستقل نہیں ہوتا، مستقل قیام تو ائمہ وعلماء ہی کرتے ہیں جو امامت کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔اب ان اشاروں کو ہر آدمی کہاں سمجھے گا؟ بہر کیف آگے مولانا عمر صاحب پالن پوری کا جو ملفوظ مفتی صاحب نے نقل فرمایا ہے اس سے ان کے نزدیک مدارس اور علماء کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔رہی بات موافقت کی تو علماء تبھی موافقت کر سکتے ہیں جب کام اصول

شرع کے مطابق ہو اور مبلغین علم سے کورے نہ ہوں۔اگر بے علموں کو کام کا ذمہ دار بنا دیا گیا تو کام میں سہولت کے بجائے مشکل اور تنگی پیش آئے گی۔

(۳) مفتی صاحب فرماتے ہیں ''جس کثرت کی وحدت جامعہ قوی ہوتی ہے وہ اپنی کثرت کو سنبھالے رکھتی ہے۔اور وحدت جامعہ کمزور پڑ جائے وہ کثرت کو نہیں سنبھال سکتی۔'' بند الفاظ میں حضرت مفتی صاحب نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ذمہ داران جماعت کو آنکھیں کھول کر یہ تحریر پڑھنی چاہئے آج وحدت جامعہ کی کمزوری کثرت کو سنبھالنے میں ناکام ہے۔امرائے مرکز کو کمزوری کو مضبوطی سے بدلنے کی تدبیر معلوم کرنی چاہئے۔چونکہ بات رمز و اشارے میں کہنے کا اہتمام کیا گیا ہے اس لئے زیادہ وضاحت مناسب نہیں۔

(۴) اس جگہ مفتی صاحب نے ملت اسلامیہ کا مرکز دارالعلوم دیوبند کو قرار دیا ہے اور یقیناً یہی درست اور حق ہے۔تحریکوں اور اداروں کو اس مرکز اسلامی سے اپنا رشتہ مضبوط رکھنے ہی میں خیر اور بھلائی ہے خاص طور سے تحریک تبلیغ کے ذمہ داران کو یہ کڑوا گھونٹ پی لینا چاہئے کہ مسلمانوں کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے نظام الدین نہیں، بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب اکابر علماء دیوبند کی خدمت میں زندگی بھر عقیدتمندانہ حاضر ہوتے رہے، جس سے کام میں برکتیں ظاہر ہوتی رہیں لیکن اب نظام الدین کے امراء ذی وقار کو اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی، وہ اکابر کے مشوروں کا خود کو حاجت مند نہیں سمجھتے۔بلکہ الٹا اپنے حکموں پر علماء کو چلانا چاہتے

ہیں، یہ نہ پہلے کبھی ہوا ہے نہ آئندہ ممکن ہو سکے گا۔مفتی صاحب تو یہ بتا کر اپنی ذمہ داری سے بری ہو چکے کہ خیر چاہتے ہو تو اسی طریقے پر آؤ جس پر جماعت کے گزشتہ اکابر چل کر گئے ہیں ورنہ خیر نہیں رہے گا اور جب خیر نہیں رہے گا تو شر وفساد کے علاوہ اور کیا بچے گا؟

(۵) یہ تمہیدی باتوں کا آخری نمبر ہے اس میں حضرت مفتی صاحب نے بڑی پتے کی بات فرمائی ہے کہ عوام تو بے لگام ہوتے ہیں ان کی باتوں کو ہفوات سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے ہاں خواص کی باتیں ضرور قابل توجہ ہوتی ہیں۔اور اب زیادہ تر خواص ہی کے ارشادات میں قابل اعتراض باتیں نظر آرہی ہیں جس پر بڑے بڑے علماء

ان کو متوجہ فرما رہے ہیں لیکن

صدائے برنخاست

مرکز کے بڑوں کی طرف سے اس پر توجہ دینے کا مزاج ہی نہیں ہے آگے اللہ حافظ ہے۔

اب جوابات کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا سوال:۔اگر کوئی شخص موجودہ طریقہ دعوت وتبلیغ پر کار نبوت کے مفہوم کو منحصر کرے تو شرعاً یہ صحیح ہوگا یا غلو اور تحریف فی الدین کا مصداق ہوگا؟

حضرت مفتی صاحب جواب تحریر فرماتے ہیں کہ

دین کے دونوں سلسلے (یعنی تعلیم وتعلم وتزکیہ وتصوف اور دعوت وتبلیغ) کو پوری اہمیت دینی چاہئے اگر ایک کام میں غلو ہوگا اور دوسرے کو نظر انداز کیا جائے گا تو دین کا نقصان ہوگا۔،،

ظاہر ہے اس سے زیادہ مناسب جواب اور کیا ہوگا۔اہل مدارس اگر اپنے کام کے علاوہ دوسرے دینی کاموں کی نفی کردیں تو یہ بھی غلو کہا جائے گا اور دین کا نقصان ہوگا ،اسی طرح جماعت والے اپنے کام کو سب سے اہم قرار دینے لگیں اور دوسرے دینی سلسلوں کو حقیر اور غیر ضروری خیال کرنے لگیں تو یہ بھی غلو اور صریح جہالت ہوگی۔

حضرت مفتی صاحب نے ایجاز واختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند جملوں میں جواب تحریر فرمایا۔ہم اسکی مزید تشریح خود انھیں کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جو ان کے ایک بیان سے ماخوذ ہے۔

آج دنیا میں اہل حق کی بہت سی جماعتیں ہیں جو دین کے لئے کام کرنیوالی ہیں یہ بہت اہم بات کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔ڈنکے کی چوٹ بات کہنا فضلائے دارالعلوم دیوبند کی خصوصیت ہے وہ دین کی بات کلیر کر کے کہیں گے آدھے پونے کا سودا نہیں کرینگے جسے ماننا ہو علی وجہ البصیرت مانو جسے نہیں ماننا تم جانو۔

۔۔۔۔آج ہم مسلمانوں میں دیوبندیوں میں بہت سی جماعتیں

ہیں جو دین کیلئے کام کر رہی ہیں اور اہل حق ہیں مگر دوٹوک بات نہیں کرینگے اور اس مسئلے میں تبلیغی جماعت والے سب سے ڈھیلے ہیں وہ تو کبھی کسی کو کچھ کہیں گے ہی نہیں، کہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیگا۔ یہ نبیوں کا طریقہ دعوت نہیں ہے۔ ایک بات اور سمجھو یہ مدرسہ والے اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ دین کا سارا کام ہم ہی کر رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ یہ خانقاہ والے اس فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ دین کا سارا کام ہم ہی کر رہے ہیں ۔۔ ۔۔۔۔ یہ مجاہدین اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ دین کا سارا کام ہم ہی کر رہے ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک شعبہ ہے جو ہم سنبھالے ہوئے ہیں دوسرے لوگ دوسرے شعبے سنبھالے ہوئے ہیں ۔ لیکن یہ تبلیغ والے اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں کہ سارا کام دین کا ہم ہی کر رہے ہیں ۔ یہ تبلیغ والے اس غلط فہمی کا اتنا شکار ہیں کہ ان کی نظر میں یہ مدرسے بیکار ہیں، یہ خانقاہیں بیکار ہیں یہ مجاہدین بیکار ہیں، بس تبلیغ ہی تبلیغ سب ہی کچھ ہے دین کا کام صرف وہی ہے ۔۔۔ تبلیغی جماعت میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ ہم ہی دین کا کام کرتے ہیں اور حضور، صحابہ

والا کام کرتے ہیں، یہ غلط کہتے ہیں اور اس غلط کہنے کا نتیجہ کیا ہے اگر ان کی اصلاح نہیں ہوئی تو بہت جلد یہ تبلیغ والے مسلمانوں کا ایک الگ فرقہ بن جائیں گے ۔ وہ برا دن مجھے نظر آتا ہے ۔ وہ برا دن مجھے نظر آرہا ہے اگر ان کی ذہنیت صحیح نہیں ہوئی تو بہت جلد یہ تبلیغ والے مسلمانوں کا ایک الگ فرقہ بن جائیں گے اور ہمیں اپنے قلم سے لکھنا پڑے گا کہ یہ گمراہ فرقہ ہے ۔ اس لئے میرے بھائیو اس غلط فہمی کو نکالو ۔ الخ

اپنے اس بیان میں آگے چل کر حضرت مفتی صاحب نے علماء کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور انھیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہے لیکن ہمیں تو یہ دکھانا تھا کہ غلو کا شکار کون ہے؟ اسلئے تقریر کا اتنا ہی حصہ نقل کیا گیا جو مضمون سے متعلق تھا ۔ حضرت مفتی صاحب کے علاوہ دوسرے اور بھی علماء کرام اور مفتیان عظام نے تبلیغی جماعت کے اس غلو پر کھل کر نکیر کی ہے ۔ ان میں سے بعض کا ذکر انشاءاللہ آگے آرہا ہے ۔

ظاہر ہے کہ غلو دین نہیں، بد دینی ہے ۔ جو انسان کو گمراہی کے اندھیرے غار میں دھکیل دیتی ہے ۔ اب یہ عذر بھی کوئی نہیں کر سکتا کہ ذمہ داران جماعت اس غلو سے بری ہیں ۔ سچی بات یہ ہے کہ نیچے تک یہ غلو اوپر ہی سے آیا ہے جسکی نشاندہی مفتی زید صاحب نے اپنے مکتوب بنام مولانا سعد صاحب امیر مرکز دہلی میں فرمادی ہے ۔ اسلئے اس غلو سے دین

کا جونقصان ہورہا ہے اس کی ذمہ داری بھی انھیں پر عائد ہوتی ہے خدا کرے کہ یہ اپنا رویہ تبدیل کرلیں اپنی فکر وسوچ کو علماء کی نصیحت کے مطابق درست کرلیں ورنہ بقول حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم ،، ہمیں اپنے قلم سے لکھنا پڑے گا کہ یہ گمراہ فرقہ ہے۔

مزید ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمائیں ۔حضرت مولانا شعیب اللہ خاں صاحب مدظلہ نے اپنی تصنیف ،،غلو فی الدین ،، میں بھی اہل جماعت کے غلو پر نکیر فرمائی ہے ۔اس کتاب پر تقریظ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے لکھی ہے اس کا آخری اقتباس اسطرح ہے

۔

یہاں ایک سوال ہے کہ جماعت کا غلو جماعت کے بڑوں کو سمجھانا
چاہئے اس کو پبلک کے سامنے نہیں رکھنا چاہئے ،اس کا جواب یہ ہے
کہ پانی سر سے گذر گیا ہے اب جماعت کے عوام وخواص ''انا ولا غیری''
کے زعم میں مبتلا ہوگئے ہیں پس جب بات خواص تک محدود نہیں رہی تو قضیہ
عوام کے سامنے رکھنا ضروری ہے شاید اتر جائے لوگوں کے دل میں
مصنف کی بات اور درد پنہاں کا مداوا ہوجائے ۔''

یہ جملے حضرت مفتی صاحب نے ۱۵ / رجب ۱۴۳۵ھ کو رقم فرمائے ۔اور علمائے کانپور کے سوال کا جواب ۵/ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ کو لکھا دونوں تحریروں میں تقریباً ایک سال کا وقفہ ہے اگر اہل جماعت اس پہلی تحریر کو دیکھکر اپنی اصلاح کرلیتے تو دوبارہ پھر

حضرت مفتی صاحب کو نہ لکھنا پڑتا ۔مگر وہاں تو علماء کرام کی باتیں درخور اعتناء ہی نہیں ہوتیں ،علماء کرام کے ایک مختصر سے مجمع کے سامنے جسمیں میں بھی موجود تھا ایک فاضل دیوبند عالم دین نے بیان کیا کہ جب جماعت کی اسطرح کی بے اعتدالیاں امیر مرکز دہلی کے سامنے رکھی گئیں تو بجائے اصلاح کرنے کے انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا کھوٹا سکہ چل گیا ہے تم سے روکتے بنے تو روک لو''

لوگوں کے دلوں میں آخرت کا یقین پیدا کرنے والی جماعت کے سربراہ اعلیٰ کے دل کا یقین ملاحظہ فرمایئے کہ وہ دنیا میں کھوٹے سکے چل جانے کا یقین دل میں جمائے بیٹھے ہیں ۔ یہ کھوٹا سکہ آخرت میں تو نہیں چل سکے گا نا ۔یا وہاں بھی یہی کھوٹا سکہ چلے گا اور اس کو کوئی روک نہیں پائے گا ؟ نعوذ باللہ منہ ۔ کبر وتعلی کے یہ بول انسان کو ایسی منزل پر پہنچا دیتے ہیں کہ پھر وہاں سے واپسی بڑی مشکل سے ہو پاتی ہے ۔اللہم احفظنا منہ ۔یہی وجہ ہے کہ علماء کرام کو اصلاح سے مایوسی ہو چلی ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں مقامات پر حضرت مفتی صاحب نے جو بات بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے علماء کانپور کے سوال کے جواب میں نہایت اختصار سے اس کا ذکر کیا ہے ۔اور مروجہ دعوت وتبلیغ کے علمبرداروں کو غلو کرنے والا قرار دیا ہے ۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت میں یہ غلو کیوں پیدا ہو رہا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ طریقۂ کار کا نقص ہے ۔حضرت مولانا صوفی محمد اقبال ''مجموعہ رسائل تبلیغ'' میں شیخ الحدیث

حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کا ''اہم گرامی نامہ'' جو تبلیغیوں کیلئے اعتکاف کی اہمیت کو بیان کرنے کیلئے یکم اگست ۱۹۸۱ء میں لکھا گیا تھا اس مکتوب کو شائع کرنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے تبلیغیوں کی خرابی کیوجہ خود اس مخصوص تبلیغی طریقہ کار و نظام کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لیکن صورت حال یہ ہو کہ ان کارکنوں کو ایک مختصر و مخصوص دینی نصاب اور دین کے ایک ہی شعبہ اور دعوت کے ایک ہی طریقہ کار میں شب روز محنت اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینے سے دین کے اسی حصہ سے شدید تعلق ہوگیا، یہ شدت تعلق ان قابل قدر حضرات میں سے بعض کے لئے دین کے اس حصہ کے ماسوا سے بیزاری اور انکار کا باعث ہوگیا، ایسی صورت میں ان حضرات سے کبھی کبھی جوش میں تبلیغ کے علاوہ دوسرے شرعی و دینی امور کے متعلق نازیبا الفاظ نکل جاتے ہیں اور تبلیغی کام کو نقصان پہنچانے والی حرکات سرزد ہوجاتی ہیں ان حضرات میں کچھ خام علماء بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ کسی مدرسے کے باقاعدہ فارغ التحصیل تو ہوتے ہیں مگر علمی استعداد کی کمی یا علمی مشغلہ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے بعد میں ان کے پاس صرف مدرسے کی سند ہی رہ جاتی ہے چاہے تقریر وغیرہ میں مہارت حاصل کرکے عوام میں بڑے علماء شمار ہوتے ہوں۔''

(مجموعہ رسائل تبلیغ صفحہ ۷۵)

آگے صفحہ ۷۶ پر تبلیغی جماعت میں اس فساد کے پھیلاؤ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

چونکہ مندرجہ بالا امور جن کی تفصیل گذشتہ اوراق میں تحریر ہوئی ہے ان کی ایک عمومی سی فضا بنتی جارہی ہے اور آئے دن ادھر ادھر سے کچھ نہ کچھ واقعات سننے اور دیکھنے میں آتے رہتے ہیں اور کام اب ماشاءاللہ اتنا پھیل گیا ہے کہ مسئلہ اب چند افراد کا نہیں جن کو زبانی تنبیہ کافی ہوجاتی ہیں بلکہ عمومی ذہن بدلنے کی ضرورت تھی۔ جس کے لئے عمومی تحریر کی ضرورت تھی۔''

حضرت مفتی محمد اسماعیل صاحب اپنے رسالہ ''اصلاح خلق کا الٰہی نظام'' میں تبلیغی جماعت میں شامل ہونے کو فکری اور نظریاتی فساد کا سبب قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

''غور فرمایئے ایک شخص بے نماز یا داڑھی منڈا جماعت میں چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے اس دوران ہمہ وقت مسجد کے ماحول میں رہنے کی برکت سے نماز یا داڑھی کی توفیق دے دی۔ الحمدللہ خوب فائدہ ہوا اور یہی اصل فائدہ اس جماعتی کام کا ہے۔ لیکن اگر یہ شخص اب دین کے

کسی فریضۂ محکمہ مثلاً جہاد وقتال فی سبیل اللہ، اقدامی جہاد یا دفاعی
جہاد کے خلاف ذہن بنا آیا، حالانکہ جماعت میں جانے سے پہلے اس
کا ذہن اس فریضۂ محکمہ کے خلاف نہ تھا، یا علماء مشائخ سے اسے
باوجود گنہگار ہونے کے پہلے عقیدت ومحبت تھی، اب انھیں (جماعت میں
سہ روزہ چلہ نہ لگانے کی وجہ سے) خدمت ومحنت دین میں کوتاہی کرنے
والا سمجھنے لگا، تو اس عملی فائدے اور نظریاتی فساد وبگاڑ کے پیش نظر فرمایئے
کہ اس کا نفع زیادہ ہوا یا نقصان؟ عملی کوتاہی اور نظریاتی بگاڑ میں زیادہ
مضر کون ہے؟ اس نکتہ پر اگر حضرات علمائے کرام اصلاح کے لئے توجہ
فرمائیں تو بہت اچھا ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہ کہتے سمجھتے رہیں کہ ابھی خیر
غالب ہے اور ادھر یہ فکری اور نظریاتی خرابی پختہ ہو جائے (صفحہ ۶۶)۔

حضرت مولانا مفتی محمد زید ندوی مظاہری استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے تعارف میں خود لکھا ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے زمانہ طالب علمی سے ان کی تبلیغی جماعت سے وابستگی رہی ہے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ ہیں وہ کارکنان تبلیغ کے مفضی الی البدعۃ غلو کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بہت سے حضرات دعوت وتبلیغ کی اس عملی شکل ہی کو مقصود بالذات

اور مقاصد اصلیہ میں سے سمجھتے ہیں۔ (اسباب واعمال اور تدبیر
وتوکل کا شرعی درجہ، ص ۳۴)

مزید لکھتے ہیں

''جو اس مروجہ دعوت میں معمول کے مطابق پورے طور پر پروگرام
میں شریک نہ ہوں تو سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت کا کام نہیں کرتا، حالانکہ
دعوت وتبلیغ کی کوئی بھی شکل ہو، خاص وہ شکل مقاصد میں سے نہیں
بلکہ وسائل میں سے ہے، وسائل کو مقاصد کا درجہ دے کر پھر اس
میں شریک نہ ہونے والے کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا اور اس سے
بدگمان ہونا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ ایک بڑا طبقہ جہالت کی وجہ
سے اس مرض میں مبتلا ہے (ص ۳۵)۔

کارکنان تبلیغ کا یہ اعتقادی غلو اتنا صریح البطلان ہے کہ اس پر اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہر شخص اتنی تفصیل جان لینے کے بعد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اس مختصر سے جملے کی معنویت اور اہمیت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا سوال:۔ (۱) دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، تزکیہ
وتربیت کا شرعاً درجہ کیا ہے؟ کس چیز میں لگنا فرض عین ہے؟ اور کیا
چیز فرض کفایہ ہے؟ (۲) نیز موجودہ زمانے میں دعوت وتبلیغ کی

مسلمین وغیر مسلمین میں شرعاً کیا حیثیت ہے؟ (۳) اور مروجہ دعوت وتبلیغ (چلہ چار مہینہ) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (۴) فی زمانہ مدارس اور خانقاہوں کا وجود شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟ (۵) جو اس کے وجوب کا مخالف ہو اس کا کیا حکم ہے؟

اس دوسرے سوال میں کئی اجزاء تھے اسلئے سہولت کے لئے ہم نے ان کو الگ الگ نمبروں میں تقسیم کردیا ہے۔اب ان کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

جواب:۔ (۱) دین کے سب کام ضروری ہیں، مکاتب کا کام مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے جو فرض عین ہے، عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے جو فرض کفایہ ہے۔

مفتی صاحب کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم وتدریس کے دو درجے ہیں ایک درجہ مکاتب میں بچوں کو تعلیم دینے کا ہے۔دوسرا مدارس میں،، کاتب کی تعلیم تو فرض عین ہے کیونکہ یہ بنیادی تعلیم ہے جہاں بچوں کو ابتدائی دینیات اور قرآن پاک کی تعلیم کا نظم ہوتا ہے یہ درجہ تو فرض عین کا ہے۔اور عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے جو فرض کفایہ ہے۔یعنی ہر شخص کا عالم بننا فرض نہیں ہے۔اگر ایک دو شخص گاؤں میں عالم بن گئے تو تمام لوگوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہوجائیگا۔متعلقہ گاؤں اور شہر کے لوگ اس عالم دین سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرلیا کریں گے۔ضرورت پوری ہوجائے گی اور یہ ضرورت مدارس

عربیہ سے پوری ہورہی ہے جہاں طلبہ کو پورے دین کی تعلیم دی جاتی ہے کسی خاص جزء کی نہیں، انھیں مکمل دین کا مکمل عالم بنایا جاتا ہے۔یہ درجہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) دوسرے جزء کا جواب مفتی صاحب نے یہ تحریر فرمایا ”جماعت تبلیغ کا کام بڑی عمر کے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے۔“

سائل نے مسلمین اور غیر مسلمین دونوں میں دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت کے بارے میں پوچھا تھا۔تو یہاں مسلمین میں دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت بیان کی گئی۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا اس جماعت سے یہی مقصد تھا کہ جو لوگ مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم حاصل نہیں کرسکے اور بڑی عمر کے ہوگئے تو جماعت کے ذریعہ ان کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا اور گاؤں گاؤں جاکر لوگوں کو کلمہ ونماز وروزہ سکھایا جائے گا، لیکن یہ مکمل دین کا سکھانا نہیں کہا جائے گا۔جس طرح مکاتب میں چھوٹے بچوں کو ضروری اور بنیادی تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعد مکمل دین کا مکمل علم حاصل کرنے کے لئے انھیں مدارس عربیہ میں داخلہ لینا ضروری ہے اسی طرح جماعت کے ذریعہ عوام کو موٹی موٹی اہم اور بنیادی باتوں کی تعلیم دے کر انھیں علمائے کرام کے پاس بھیجا جائے تاکہ ان کی زندگی میں پورا دین آ جائے۔جماعت کے ذریعہ بے طلب لوگوں میں دین سیکھنے کی طلب پیدا کرنا ہے۔جب طلب پیدا ہوجائے تو اب جماعت کا کام ختم ہوگیا اس کے لئے اب علماء کی خدمات حاصل کی جائیں۔مگر جماعت کے افراد عوام کی تعلیم سے زیادہ اپنی جماعت بڑھانے کے لئے

زیادہ کوشش کرتے نظر آتے ہیں اسی لئے آج تک تاریخ میں یہ ریکارڈ کہیں موجود نہیں ہے کہ جماعت والوں نے اپنا کام پورا کرنے کے بعد عوام کو علماء سے جوڑا ہو، بلکہ اس کے بر عکس علماء کے خلاف عوام کا ذہن بنا کر انھیں علماء و مدارس سے بدظن کرنے اور کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ساری خرابی پیدا ہوئی ہے۔

غیر مسلمین میں دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں " اور غیر مسلمین کو دین کی دعوت دینا مستقل ایک کام ہے" اور یہ مستقل واہم کام نہ جماعت والے کر رہے ہیں نہ علماء کی ادھر توجہ ہے اس بات کی شکایت حضرت نے کچھ وضاحت کے ساتھ اپنے ایک بیان میں بھی کی ہے، ہم انھیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہندوستان کے حالات ایسے نہیں ہیں
کہ ہم غیر مسلموں کو دعوت دیں، ناچنا نہیں آتا آنگن ٹیڑھا بتادیا
مکہ کے حالات کہاں تھے ایسے، جو غیر مسلموں کو دعوت دی جائے
اور وہاں حضور نے سب سے پہلے غیر مسلموں کو دعوت دی ہے جب
کہ مکہ کے مقابلے میں ہندوستان کے حالات نہایت شاندار ہیں
مگر یہ فیلڈ خالی پڑا ہے۔ کوئی نہیں مسلمانوں میں جوان بیچاروں
تک دین اسلام صحیح طریقہ سے پہنچاوے، ایمان لانا نہ لانا ان

کا کام ہے ان کو دین اسلام سمجھانا یہ تو داعی کی ذمہ داری ہے
اور داعی آپ ہی حضرات ہیں۔ اگر آپ ہی (علماء) حضرات
داعی نہیں ہیں تو پھر اس زمین پر کوئی بھی داعی نہیں ہے، آپ ہی
(علماء) وارثین انبیاء ہیں۔

(اقتباس از خطاب محدث کبیر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری)

بتاریخ 16.12.2008 بنگلور

(۳) تیسرے جزء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے " موجودہ طریقہ تبلیغ تعلیم بالغان کی ایک صورت ہے جو نہایت مفید ہے" اگر صحیح اصول کے ساتھ یہ کام انجام دیا جائے تو اس کے مفید ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ لیکن اس کے مفید ہونے کی وجہ سے اس طریقے کو واجب نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس طریقہ سے ہٹ کر بھی بہت سے طریقے دعوت وتبلیغ کے ہیں۔ اسی ایک طریقہ میں دعوت وتبلیغ منحصر نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے مفید فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس میں کوئی گڑبڑی اور مفسدہ نہ ہو تو اس طریقہ سے بھی فائدہ ہوتا ہے بشرطیکہ اصول شرع کے مطابق کیا جائے، لیکن اب جب کہ اس میں سینکڑوں قسم کی گڑبڑیاں پیدا ہوچکی ہیں جیسا کہ اس سے پہلے خود مفتی صاحب ہی کے الفاظ میں نقل کیا گیا تو اب یہ جماعت، اثمہما اکبر من

نفعہما، کامصداق بن چکی ہے،لہٰذااب فائدہ سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

(۴) چوتھے جزء کا جواب پہلے جزء میں آگیا ہے اسی طرح پانچویں جزء کا جواب بھی اسی سے نکل آتا ہے۔یعنی جب بنیادی تعلیم فرض ہے تو مدرسہ کا وجود بھی ضروری ہوا۔اسی طرح نفس کی اصلاح کے لئے خانقاہ کا نظام بھی شرعاً واجب قرار پایا، جو شخص مدارس وخوانق کا مخالف ہو وہ امور واجبہ کا مخالف ہے اور سخت گنہگار ہے۔

تیسرا سوال:۔ کیا عہد نبوت اور عہد صحابہ میں دعوت وتبلیغ یا تعلیم وتزکیہ وغیرہ کسی مخصوص طرز کے ساتھ متعین تھے اور ان کا کوئی لگا بندھا طریقہ تھا یا کوئی خاص شکل شرعاً متعین نہیں کی گئی تھی، اگر کوئی شخص موجودہ مروجہ طریقہ دعوت (چلہ چار مہینہ) کو کہے کہ صحابہ کا یہی طریقہ تھا یعنی وہ چلہ یا چار مہینہ لگاتے تھے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟اور یہ کہنے والا کیا تحریف فی الدین کا مرتکب کہلائے گا؟

یہاں مفتی صاحب کا جواب نقل کرنے سے پہلے راقم الحروف اتنا ضرور عرض کرے گا کہ تعلیم وتزکیہ کے بارے میں سوال کرنا محض تکلف کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ میں آیا۔کیوں کہ اس کی ضرورت (سوائے کارکنان تبلیغ کے) سب کے نزدیک مسلّم ہے۔اور مفتی صاحب کے بقول جاہلوں کا کوئی اعتبار نہیں۔بہر حال اس سوال کا جواب حضرت مفتی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

جواب ۳:۔ "اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آگیا ہے، دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں جیسے نفس علاج سنت ہے مگر اس کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں۔"

جواب بالکل واضح ہے کہ دینی کاموں کے لئے چاہے وہ مدرسہ ہو یا دعوت وتبلیغ، شریعت نے کوئی خاص شکل وصورت متعین نہیں کی ہے۔اگر کوئی شخص اپنے قول وفعل سے اس کو متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ شریعت کی نظر میں مجرم اور گنہگار ہے، اور غیر واجب کو واجب کرنا اور غیر متعین کو متعین کرنا ہی بدعت کہلاتا ہے جیسا کہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اصلاحی خطبات جلد اول میں فرماتے ہیں۔

دین کے جن کاموں کو انجام دینے کا اللہ اور اللہ کے رسول نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا ان کاموں کو جس طرح چاہیں انجام دے سکتے ہیں لیکن اگر ان کاموں کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ مقرر کرلیا جائے اور اسی طریقے کو لازم اور ضروری قرار دے دیا جائے تو وہ بدعت بن جائے گا۔ (ص،۲۲۸)

اور صفحہ ۲۲۶ پر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح لوگ تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں اور دینی اعمال کی فضیلتیں سناتے ہیں یہ بڑے ثواب کا کام ہے اب اگر کوئی اس کو متعین کرے

کہ تبلیغی نصاب ہی پڑھنا ضروری ہے اور یہی سنت ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری کتاب پڑھی جائیگی تو وہ مقبول نہیں تو اس صورت میں یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا۔لہٰذا کسی بھی عمل مباح کو یا اجروثواب والے عمل کو خاص وقت اور خاص حالات کے ساتھ مربوط کر کے لازم قرار دے دیا جائے تو وہی بدعت بنا دیتا ہے۔"

اب ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ اہل جماعت نے اپنے مخصوص طریقے کو متعین کر رکھا ہے یا نہیں؟ اپنے اس مخصوص طرز کے سوا وہ کسی اور طریقے سے مطمئن ہی نہیں ہوتے اسی طرح فضائل اعمال اور منتخب احادیث کے علاوہ کسی دوسرے عالم کی تصنیف کے لئے ان کے یہاں کوئی جگہ نہیں، حتیٰ کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا پڑھنا بھی یہ ہرگز گوارہ نہیں کرتے، جبکہ بانی تبلیغ نے اس کی وصیت بھی کی تھی۔اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پورا نصاب بھی تیار کروایا تھا مگر آج اس کو اس طرح غائب کر دیا گیا ہے کہ اب اس کے بارے میں کسی کو پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ نصاب کیا تھا؟ ان کو اپنے اس مخصوص طرز پر اتنا اصرار ہے کہ علماء کو بھی یہ اپنے اسی طریقے پر لانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔اور جو ایسا نہیں کرتا اس کو وہ دین سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں۔چنانچہ ایک معتبر عالم کے ذریعہ میں نے سنا کہ جماعت کے ایک امیر صاحب فرما رہے تھے کہ "الحمدللہ اب دیوبند میں بھی دین کا کام ہونے لگا ہے۔" یہ ان کے غلو کی انتہا ہے کہ جس دیوبند نے مولانا الیاس صاحب کو

پیدا کیا وہ دیوبند اب تک دین کا کام نہیں کر رہا تھا۔جب دیوبند میں جماعتیں آنے جانے لگیں تو وہاں دین کا کام ہونے لگا۔(نعوذ باللہ من ذلک)

یہ سب کیا مخصوص و متعین کرنا نہیں ہے؟

حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ "دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں" اب آگے آدمی خود سمجھ لے کہ جب کوئی طرز متعین نہیں ہے اور جماعت والوں نے اسے متعین کر رکھا ہے تو پھر یہ طریقہ یقیناً بدعت ہو جائے گا۔

(۲) سوال کا دوسرا جزء یہ تھا کہ "اگر کوئی شخص موجودہ مروجہ طریقۂ دعوت (چلہ چار مہینہ) کو کہے کہ صحابہ کا یہی طریقہ تھا تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟"

اس کا جواب حضرت مفتی صاحب نے جواب نمبر ۴ میں عنایت فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں "دور اول کے کام سے استناد تو کر سکتے ہیں مگر اس کو بعینہٖ صحابہ والا کام نہیں کہہ سکتے" لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جماعت والے جو اپنے کام کو نبیوں والا کام اور صحابہ والا کام کہتے ہیں یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس طریقے سے صحابہ نے نہیں کیا ہے۔کتنا صاف و صریح انداز ہے۔اور کس قدر واضح الفاظ ہیں۔اب اتنے پر بھی اگر کسی کے سمجھ میں نہ آئے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا سوال:۔ کیا خاص و عام ہر ایک مسلمان کو مروجہ دعوت کی محنت

میں یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنا ضروری ہے اگر کوئی عالم یا مربی عوام کی دینی اصلاح کے لئے دعوت وتبلیغ کے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر کوئی اور مفید صورت تجویز کرے مثلاً (ہردوئی کا دعوۃ الحق کا نظام وغیرہ) تو شرعاً یہ دوسرا طریقہ بھی صحیح کہلائے گا یا نہیں؟ اگر کوئی حرام اور غلط کہے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر حرام نہ کہتے ہوئے اسے جبر یا سازش سے بند کرانے کی کوشش کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ دعوت وتبلیغ کا کوئی بھی نہج اپنا سکتے ہیں، کوئی خاص طریقہ متعین نہیں۔

سوال میں دوسرے طریقے کو حرام کہنے کی نسبت صراحۃً اگر چہ جماعت کی طرف نہیں کی گئی ہے لیکن اتنی بات تو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ دوسرے طریقے سے دعوت وتبلیغ کو غلط قرار دینے یا اسے سازش کر کے جبراً بند کرانے کی کوشش میں کون لوگ شامل ہو سکتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب نے اگر چہ اسکا جواب مرحمت نہیں فرمایا لیکن ہر جزء کا جواب دینا ضروری بھی نہیں ہوتا، بہت سی باتیں آدمی ازخود سمجھ سکتا ہے۔ جب کوئی بھی جائز ومفید طریقہ اپنا سکتے ہیں تو کسی جائز طریقے کی مخالفت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو جہالت کا شکار ہوں گے یا فرقہ بندی کے۔ اور شریعت میں یہ دونوں باتیں مذموم وقبیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

پانچواں سوال:۔ دینی مدارس کے اساتذہ با تنخواہ پڑھاتے ہیں جب کہ دعوت وتبلیغ والے حضرات کا کہنا ہے کہ وہ اپنا خرچ خود لگاتے ہیں تو کیا مدرسہ کی خدمت کا معاوضہ یا تنخواہ لینے کے سبب مدرسہ کا مدرس وملازم دینی خدمت میں مشغول کہلانے کا مستحق نہیں اور کیا وہ تنخواہ کی وجہ سے آخرت کے اجر کا مستحق نہیں رہا، خیر القرون اور خلافت راشدہ کے عہد میں مستقل دینی خدمت میں مشغول حضرات کے لئے اجرت تنخواہ یا وظیفہ کا ثبوت ملتا ہے؟

(۲) اگر کوئی مدارس کے فروغ اور اجرت لینے کو دنیا کا دھندا کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ متاخرین نے ضروری طاعات مقصودہ پر تنخواہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے پس ان کا کام بھی بالیقین دینی خدمت ہے وہ آخرت کے اجر کے حقدار ہوں گے پہلے حکومت وظائف دیتی تھی اب ملت یا ادارے تنخواہ (ضروریاتِ زندگی) مہیا کرتے ہیں اس سے اخروی اجر ختم نہیں ہوتا۔

سوال وجواب دونوں آپنے پڑھ لیا۔ حضرت مفتی صاحب نے سوال کے پہلے جزء کے بارے میں واضح کر دیا کہ تبلیغی جماعت کے جاہل اور ناخواندہ وناہل مبلغین حضرات علماء کرام پر اپنی برتری ثابت کرنے کی جو ناروا کوشش کرتے ہیں وہ سراسر جہالت

پرمبنی ہے۔ان کوتنخواہ دارملازم قراردے کرعوام کے دلوں سے ان کی عظمت کم کرنے کی کوشش کرنا بلکہ بس چلے تو خدا کی نگاہ سے بھی گرانے کی مذموم حرکت کرنا سوائے بددینی اور گمراہی کے کچھ نہیں، جاہل ہزار سال تک بھی بے ریا عبادت کرلے تو وہ کسی عالم دین کی ایک سال کی دینی خدمت کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔فضیلت کا مبنیٰ شریعت نے علم کوقرار دیا ہے پیسے کونہیں،لیکن یہ اپنی بدبختی سے اپنے کواہل علم سے اعلیٰ وافضل ہونے کا یقین دلوں میں جمائے ہوئے ہیں، یہ ان کے اجہل ہونے کی علامت ہے۔چندروپیوں کے خرچ کر لینے سے لوگ اسی طرح برتر وبالا ہوجایا کرتے تو ایک سے ایک پیسے والے پڑے ہوئے ہیں جوعلماءکرام کے مقابلے میں لاکھوں گنا خرچ کرکے جاہل رہتے ہوئے بھی عالم بننے کی فضیلت گھر بیٹھے حاصل کرلیتے،لیکن اللہ نے فیصلہ فرمادیا قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون ،عالم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔یہ لوگ چند غیر شرعی چلے لگا کرفتوی دینا شروع کردیتے ہیں اور عالم جس نے علم کی تحصیل میں دسیوں سال خونِ جگر پیا ہے اس کو یہ ظالم اتنا بھی حق نہیں دینا چاہتے کہ وہ کسی مسجد یا مدرسہ میں سکون و اطمینان سے دین کی خدمت کرسکے۔اگر اس نے ان کا غیر شرعی چلہ نہ لگایا تو اسے یہ جینے کا حق بھی دینے کو تیار نہیں۔جھوٹی سازشیں کرکے وہ اس کا جینا حرام کردیتے ہیں۔اللہ ایسے ظالموں سے سمجھے، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

سوال کے دوسرا جزء کا جواب مفتی صاحب نے نہیں دیا اور اجرت لینے کو دنیا کا

دھندا قرار دینے والوں کے متعلق حکم شرعی نہیں بیان کیا کیوں کہ یہ اتنا ظاہر اور کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ ہر شخص خود اس کے بارے میں سمجھ سکتا ہے۔

چھٹا سوال:۔اگر کسی شخص نے مروجہ دعوت وتبلیغ میں بالکل وقت نہیں لگایا اور وہ کسی شیخ وقت کے پاس یا مدرسہ میں رہ کر اپنی اصلاح کرا کر لوگوں کو دینی امور کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے ایسا شخص دعوت وتبلیغ میں وقت نہ لگانے کی وجہ سے کسی فریضہ کا تارک ہوکر گنہگار ہے؟ یا شرعاً وہ راہِ راست پر ہے؟

حضرت مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

جواب:۔شرعاً راہ راست پر ہے تارک فریضہ نہیں۔

معلوم ہو کہ جو آدمی تبلیغی جماعت میں شریک نہ ہو وہ بالکل صحیح راستے پر ہے،اس کو غلط کہنا اور سمجھنا درست نہیں کیوں کہ تبلیغی جماعت میں شرکت فرض نہیں ہے۔ بلکہ سنت بھی نہیں ہے۔مفتی صاحب سے جتنا سوال پوچھا گیا تھا اتنا جواب عنایت فرمادیا۔بات ختم ہوگئی۔لیکن ٹھہرئیے ابھی بات ختم نہیں ہوئی،ذرا یہ سوچئے کہ اس سوال کی نوبت کیوں پیش آئی؟ سائل یہ کیوں پوچھ رہا ہے جو مروجہ تبلیغ میں نہیں لگا وہ کسی فریضہ کا تارک تو نہیں ؟ کیوں کہ تبلیغی جاہلین اس طریقے کو فرض قرار دیتے ہیں تبھی تو اس میں نہ لگنے والوں کو لعن طعن کرتے ہیں اور ایسا نہیں کہ اس کو فرض وواجب قرار دینے والے سب جاہل گنوار ہی ہیں

، بہت سے مولوی اور عالم بھی یہی کہتے اور لکھتے ہیں کہ اس میں لگنا واجب ہے اب ایسے مولویوں کی جہالت کا اندازہ مفتی صاحب کے جواب سے آپ خود کرلیں کہ وہ بے خبری اور جہالت کے کس تاریک غار میں بھٹک رہے ہیں ۔ اگر اہل تبلیغ اس کو واجب اور فرض کا درجہ نہ دیتے تو اس سوال کی حاجت ہی نہ تھی ۔ ان کی گمراہی کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے ۔ شرعی طور پر جو چیز واجب نہیں یہ اس کی فرضیت کے قائل ہیں ۔

ساتواں سال: ۔ مروجہ محنت (چلہ چار مہینہ) میں معروفات پہ سارا زور ہوتا ہے منکرات کو قصداً چھیڑا نہیں جاتا تو کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم صرف معروفات کی محنت سے پورا ہو جائے گا نیز حسب استطاعت منکرات پر نکیر کئے بغیر معروفات اور علم و عمل کی تبلیغ کو مکمل تبلیغی کام کہنا اور منہج نبوت کے مطابق کہنا صحیح ہوگا؟ اور کیا امت کے لئے معروفات کی تبلیغ کی محنت کافی ہے نہی عن المنکر والی جماعت کا وجود ضروری نہیں؟

جواب: ۔ نہی عن المنکر بھی دین کا جزء ہے اس کا بھی احترام ہونا چاہئے ۔ تبلیغی جماعت کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ یہ امر بالمعروف کے تو قائل ہیں مگر نہی عن المنکر نہ صرف یہ کہ کرتے نہیں بلکہ اس کے مخالف ہیں حالانکہ جس طرح نیک کام کا حکم کرنا ضروری ہے اسی طرح بری بات سے روکنا بھی ضروری ہے ۔ مگر یہ اس کو نہیں مانتے

۔ حضرت مفتی صاحب فرما رہے ہیں یہ بھی دین کا جزء ہے اس کا بھی اہتمام ہونا چاہئے مگر تبلیغی حضرات مفتی صاحب کی بات کو ٹھکرا دیں گے آپ جب چاہیں دیکھ لیں اور تجربہ کر لیں ۔ اس فتوے کو شائع کیے ہوئے کتنا وقت گذر چکا ہے لیکن ان کا رویہ آج بھی یہی ہے کہ نہی عن المنکر کو پورا پورا اپنے پروگرام سے خارج کئے ہوئے ہیں ۔ اور دعویٰ اتنا لمبا چوڑا کہ ہم اکیلے دین کے ٹھیکیدار ہیں ۔

آٹھواں سوال: ۔ دعوت وتبلیغ یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنے کا کام زیادہ تعداد میں لوگ کر رہے ہیں، تصنیف وتالیف، تدریس وافتاء، تزکیہ واصلاح میں نسبتاً افراد کم ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ دیگر دینی مذکورہ شعبوں میں مشغول افراد کو بھی وقت لگانا ضروری ہے یا وہ دعوت وتبلیغ سے زیادہ اہم کام میں مشغول کہلائیں گے ۔

جواب: ۔ ہر فرض کفایہ بقدر کفایہ فرض ہے اور جو کوئی دین کی کوئی لائن پکڑے وہ دوسری لائنوں سے کام کرنے والوں کی ہمنوائی کرے مخالفت نہ کرے، مگر یہ کہ وہ کام غلط ہو ۔ یہ مخالفت نہ کرنے کا حکم حضرت مفتی صاحب نے اس وقت کے لئے دیا ہے جب کام صحیح ہو تو یقیناً ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اسی طرح مل جل کر کام ہوتا ہے ۔ لیکن اگر کام شریعت کے مطابق نہیں ہے جیسا کہ مروجہ تبلیغ کے متعلق ثابت ہو چکا ہے تو اب اس کی ضرور مخالفت کرنی چاہئے ۔ مفتی صاحب خود فرما رہے ہیں کہ جو کام غلط ہوگا اس کی

مخالفت کی جائے گی۔ان کے الفاظ غور سے پڑھیں ''ہمنوائی کرے مخالفت نہ کرے مگر یہ کہ وہ کام غلط ہو'' یعنی کام صحیح ہوتو آپس میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا چاہئے لیکن کام غلط ہوتو اس کی تائید واعانت نہیں کرنا چاہئے بلکہ مخالفت کرنا چاہئے کیوں کہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ میں جس چیز کی نفی کی جاتی ہے حرف استثناء سے اسی کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔

نواں سوال:۔اگر کسی ایک مسجد میں مدرسہ وتبلیغ کا نظام دونوں قائم ہوں،اور مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے کام سے تبلیغی کام کے مشورہ یا ان کے سونے میں خلل پڑتا ہوتو کیا تبلیغی احباب قرآن پڑھنے والے طلبہ یا علوم دینیہ کے تکرار اور مطالعہ سے طلبہ کو روک کر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں ایسی صورت میں وہاں سے مدرسہ کو ختم کرنا چاہئے یا تبلیغی کام کو،اگر مدرسہ کی تعلیم کی وجہ سے تبلیغی حضرات اپنا کام کہیں اور منتقل کریں تو ان کو ثواب ہوگا یا نہیں؟اس طرح اہل تبلیغ حضرات کی خواہش کی بنا پر مدرسہ کو اگر ختم کردیا جائے (جبکہ وہ علاقہ کا بڑا مدرسہ ہو اور تبلیغی کام وہاں کی درجنوں مساجد میں انجام دیا جارہا ہو)تو کیا مدرسہ بند کرنا بھی درست ہوگا؟ شرعاً کس عمل کو ترجیح ہوگی؟

جواب:۔مسجدیں درحقیقت نماز کے لئے ہیں فارغ اوقات میں دوسرے دینی کام کئے جاسکتے ہیں اور نماز سے مراد فرائض،واجبات اور

دیگر ملحق سنتیں ہیں ذاتی وظائف مراد نہیں۔پس فارغ اوقات میں باہم موافقت کے ساتھ دونوں کام کئے جائیں۔منازعت سے بچا جائے۔

جواب میں منازعت سے بچنے اور باہمی موافقت کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت ہے لہٰذا حضرت مفتی صاحب کا جواب ایسے مقام کے لئے ہے جہاں سمجھدار لوگوں سے واسطہ ہو اور وہ صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام نہ سمجھتے ہوں بلکہ دوسروں کی رعایت کرنے کا بھی مزاج ہو۔لیکن یہاں جس طبقے سے معاملہ ہے اس میں امیر سے لیکر مامور تک سب بے علم اور ہٹ دھرم ہیں وہ علماء اور مدارس کو پھوٹی آنکھ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے تو انہیں اس نرم ونازک نصیحت سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں!کیا دینی وشرعی نقطۂ نظر سے یہ بات جائز اور درست کہی جاسکتی ہے کہ جہاں تعلیم وتعلم اور درس وتدریس سے تبلیغیوں کے مشورے اور سونے میں خلل پڑتا ہوتو طلبہ کی تعلیم وہاں روک دی جائے؟ تاکہ تبلیغی کارکنوں کے سونے میں خلل نہ واقع ہو۔کو حضرت مفتی صاحب نے مصلحۃً اس سے تعرض نہیں فرمایا لیکن سوال بجائے خود جواب ہے۔

اگر مساجد میں دینی تعلیم کی گنجائش نہیں تو اس کو مسافر خانہ بنا کر دو تین درجن لوگوں کا سونا وکھانا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ذرا غور کیجئے کہ سائل نے اس بات کی بھی وضاحت اپنے سوال میں کردی ہے کہ مدرسہ علاقے کے بڑے مدرسے میں شمار ہوتا ہے اور جماعت کا کام وہاں کی درجنوں مساجد میں چل بھی رہا ہے مدرسہ والے دیگر مساجد میں

ہونے والے تبلیغی ودعوتی کام میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ڈال رہے ہیں مگر یہ غالی تبلیغی ایک مدرسہ کا وجود بھی برداشت نہیں کر پا رہے ہیں اور مدرسہ کو مشورہ اور سونے میں خلل پڑنے کی وجہ سے بند کرنا چاہتے ہیں تو اس کو سوائے شرارت اور خباثت نفس کے اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ تبلیغیوں کی خواہش ہے کہ مدرسہ بند کر دیا جائے اور اس طرح تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا سلسلہ روک دیا جائے لیکن انکے سونے اور مشورے میں خلل نہ آنے پائے۔ حضرت مفتی صاحب نے واضح کر دیا کہ مساجد عبادت اور نماز کے لئے بنائی جاتی ہیں سونے اور کھانے کے لئے نہیں، ہاں جب نماز کا وقت نہ ہو تو دینی کام مساجد میں کئے جائینگے۔ قرآن پاک کی تعلیم وتدریس سے بڑھ کر دینی کام اور کیا ہو سکتا ہے مگر تبلیغی کارکن اس کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں اور مدرسہ بند کرانا چاہتے ہیں تو انکا یہ عمل کوئی بھی ہوش مند کیوں کر درست ٹھہرا سکتا ہے؟ کیونکہ جب تبلیغی ودعوتی کام دیگر مساجد میں انجام دئے جا رہے ہیں تو مدرسہ والوں سے جھگڑنا جائز ودرست نہیں ہے۔ مدرسہ والوں کو اپنا کام کرنے دینا چاہئے اور تبلیغی لوگ اپنا بوریا بستر باندھ کر وہاں سے نکل جائیں۔ اور جن دوسری درجنوں مساجد میں دعوت وتبلیغ کا کام چل رہا ہے اس میں ضم ہو جائیں۔ اس طرح دین کے دونوں شعبے زندہ اور باقی رہیں گے اور تعلیم وتدریس ودعوت وتبلیغ کا فریضہ پورا ہوتا رہے گا۔ لیکن اگر تبلیغ والے اپنی ناجائز حرکتوں کی بنیاد پر مدرسہ بند کر دینگے تو وہ عند اللہ سخت مجرم اور گنہگار ہونگے۔

ضروری تنبیہ:۔ یہ سب حکم اس شکل میں ہے جب مروجہ تبلیغ میں اصول شرع کی پابندی کے ساتھ کام ہو رہا ہو ورنہ التزام مالایلزم، مندوب ومستحب امور پر اصرار وتاکد، تداعی واہتمام سے جائز کام بھی غیر مشروع اور بدعت ہو جاتا ہے۔ سنت ومستحب کام کی وجہ سے واجب کا ترک جائز نہیں ہے۔ تو اگر مسجدوں میں بدعتیں انجام دی جا رہی ہوں تو بدرجہ اولی اس کی وجہ سے ایک امر واجب (تعلیم وتدریس) کو بند کرنا کسی صورت میں جائز ودرست نہیں ہوگا لہذا مذکورہ مقام پر مدرسہ کو بند کرنا سخت نادانی ہے۔ اسکی کوشش کرنے والے خدا کے نزدیک بہت بڑے مجرم قرار پائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس انداز کی بات جواب میں لکھی گئی ہوتی تب بھی اسکی توقع نہیں تھی کہ تبلیغی لوگوں کے کانوں پر جوں رینگتی اور وہ بے چون وچرا اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب نے سخت لہجہ اختیار کرنے کے بجائے شفقت بزرگانہ کا انداز اپنایا اور تہدید کے بجائے نرم الفاظ استعمال کئے مگر:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر   مرد ناداں پہ کلام نرم ونازک بے اثر

آج ہر مقام پر اسکا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ مساجد کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں اور جہاں کہیں بھی یہ طاقت اور افرادی قوت رکھتے ہیں وہاں یہ کسی دوسرے دینی کام کو ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کرتے۔ اور آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتے تو غنڈہ گردی اور سازش کے ذریعہ اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کرتے

ہیں۔اب یہ قصے اتنے عام ہیں کہ اس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ان سب کے باوجود حضرت مفتی صاحب نے سخت لب ولہجے میں کچھ تحریر نہیں فرمایا حالانکہ سارے واقعات وحوادثات کا ان کو بخوبی علم ہے۔ایک جاہل اور عالم دین میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جاہل بدکلامی اور بدتہذیبی پر اتر آتا ہے مگر عالم اپنی شرافت اور علمی وقار کا لحاظ کرتے ہوئے بات کرتا ہے۔ جب نرمی اور شرافت سے بات سمجھ میں نہیں آتی تو مجبوراً سختی اختیار کرنی پڑتی ہے۔کسی خارش زدہ کتے کو اگر یہ کہا جائے کہ جناب والا یہاں سے تشریف لے جایئے تو وہ اتنی نستعلیق زبان بھلا کیا سمجھے گا؟ آپ رفق ولینت کا پیکر بنے رہینگے تو وہ آپ کو کاٹ بھی سکتا ہے اس کے لئے جس لب ولہجے اور عمل کی ضرورت ہے وہ ہر آدمی خوب سمجھتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے کتنے واضح اور دوٹوک انداز میں فرمایا،، ذاتی وظائف مراد نہیں ،،کھانا اور سونا ذاتی عمل ہے۔مسجدیں کسی کے سونے کے لئے نہیں بنائی جاتیں مگر آج ہر مسجد میں انکے سونے اور کھانے کا معقول انتظام کیا جاتا ہے اور اسے گوارا کیا جاتا ہے جبکہ شرعاً حضرت مفتی صاحب کے بقول مساجد ان چیزوں کا محل نہیں ہیں۔اور وضع الشیء فی غیر محلہ ظلم ہے۔ظلم ناجائز ہے مگر کون ہے جو ان ظالموں کا ہاتھ پکڑے، اور اس ناجائز عمل سے انکو روکے۔ہمیں مستقبل میں اس کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے یہ متین وپروقار اور بزرگانہ الفاظ ونصیحت مروجہ تبلیغ کے چکنے

گھڑوں پر کچھ اثر ڈال سکیں گے۔آدمی جب فساد وبگاڑ کے انتہائی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو ختم اللہ علیٰ قلوبہم کا مصداق بن جاتا ہے۔

دسواں سوال:۔جن مساجد میں معتبر علماء کرام اور مفتی حضرات امام ہیں اگر وہ تفسیر قرآن یا درس حدیث کے ذریعہ لوگوں کو دین وعلم دین سے جوڑتے ہوں تو ان کی تفسیر اور بیان وتقریر سے گریز کرنا اور دوسروں کو گریز کرنے کا مشورہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ جبکہ دوسرے وقت فضائل اعمال کی تعلیم بھی وہاں رائج ہے،اسی طرح کسی مسجد میں تفسیر قرآن جو معتبر علماء شروع کرنا چاہیں ان کو شروع نہ ہونے دینا اسکی مخالفت کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ یہ طریقہ مناسب نہیں،اس سے جماعت کے احباب کو بچنا چاہئے۔

آدمی جب نرم وشیریں لب ولہجہ کی قدر نہیں کرتا اور کسی مشفق ومحسن کی نصیحت پر کان نہیں دھرتا تو منجانب اللہ اس کی اصلاح کے لئے دوسرا انتظام کیا جاتا ہے۔سائل نے جس محتاط لب ولہجے میں سوال مرتب کیا ہے حضرت مجیب دامت برکاتہم نے اپنی شرافت نفس اور وقار علم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ الفاظ استعمال فرمائے، اور ایسے بدخو وبدمزاج لوگوں کو جماعت کے احباب کا عنوان دیا جو درس قرآن ودرس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔اے کاش انھیں اس کی قدر ہوتی۔اور اپنے اس گندے عمل

سے تائب ہوتے ۔یہ طریقہ مناسب نہیں ،فتوے کی زبان نہیں ،محبت وہمدردی کا لہجہ ہے فتوے کی زبان میں تو اس عمل کو ناجائز وحرام اور گناہ کبیرہ لکھا جاتا ۔لیکن اس ہمدردانہ و مشفقانہ انداز نگارش سے ان کی سوچ بدلے گی اور جماعت کے ناعاقبت اندیش احباب اپنے اس غلط رویے پر کچھ غور وفکر فرمائیں گے ایک خواب ہی معلوم ہوتا ہے ۔

گیارہواں سوال :۔(ملخص) علماء کے عوام پر کیا حقوق ہیں اگر تبلیغی حضرات قولاً وفعلاً علماء کے حقوق پامال کریں اور تبلیغی وغیر تبلیغی علماء میں تفریق کریں نیز علماء کے وجود کو ضروری نہ قرار دیں تو کیا حکم ہے؟

جواب :۔یہ سوال غیر ضروری ہے ۔جماعت کے خواص اس سے بری ہیں اور عوام بے لگام کا اعتبار نہیں ۔

حضرت مفتی صاحب نے اس سوال کو غیر ضروری قرار دیکر جماعت کے خواص کو اس سے بری قرار دیا ہے ۔ہمارا خیال ہے کہ حضرت والا نے حد درجہ حسن ظن سے کام لیا ہے ۔خیر کوئی مضائقہ نہیں ،لیکن اسکا نتیجہ جو سامنے آتا ہے اسکو بیان کر دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے ۔وہ یہ کہ جب نا اہل لوگ علماء کا مقام ومنصب لے لیں گے تو اتخذو ا رئوساً جہالاً فافتوا فضلوا واضلوا کا منظر سامنے آئیگا اس وقت یہی ہو رہا ہے ۔

بارہواں سوال ۔:(ملخص) انسانوں کی پیدائش کا اصل مقصد عبادت ہے یا دعوت ،کوئی اعتکاف سے یہ کہکر روکے کہ تم دعوت وعبادت کو جمع کرو

اعتکاف کی حاجت نہیں تو کہاں تک صحیح ہے؟

جواب :۔ مقصد تخلیق عبادت ہے اور دعوت اسکا ذریعہ ہے ۔

یہاں دعوت کا لفظ قابل تشریح ہے ۔مروجہ تبلیغ میں یہ لفظ بڑی کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور وہ خود کو اسکا بہترین مصداق سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صرف دھوکا اور فریب نفس ہے ۔اس پر مزید گفتگو دوسرے کسی موقع پر ہوگی انشاء اللہ ۔

تیرہواں سوال :۔کیا موجودہ تبلیغی نظام شرعاً مقاصد وقف میں شامل ہے یعنی مسجد میں جماعت کا حجرہ بنانا ومطبخ بنانا وغیرہ ۔اور تبلیغی جماعت کے افراد کو مسجد کے پنکھے بجلی کے استعمال کا استحقاق ہے؟ (ملخص)

جواب :۔اس سوال کا جواب دو باتوں پر موقوف ہے ۔یہ کام مسجد کی آمدنی سے کیا جاتا ہے یا چندہ سے الخ اس کے جواب پر جواب موقوف ہے ۔

حضرت مفتی صاحب نے اسکا جواب موقوف فرما دیا ۔ہم بھی اسے موقوف رکھتے ہیں ۔

چودہواں سوال :۔مسجد کے امام یا موذن کا مہینے میں تین دن کے لئے یا سال کے چلہ کے لئے نکلنے پر مجبور کرنا یا تقرر کے وقت اسکی شرط لگانا کیسا ہے اور ان ایام کی تنخواہ دینا کیسا ہے؟ (ملخص)

جواب :۔اسکا جواب تمہیدی باتوں میں آگیا ۔

حضرت مفتی صاحب نے تمہیدی باتوں پر جواب کو محمول فرما دیا ہمارا خیال ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس کو غلو سمجھا اور غلو کے بارے میں ان کی عبارت پہلے سوال کے جواب میں نقل کی جا چکی ہے ۔غلو مذموم اور ناجائز ہے ۔لہٰذا مفتی صاحب کے ارشاد کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس طرح کی شرائط،اور امام ومؤذن کو چلہ میں نکلنے کے لئے مجبور کرنا ناجائز ہے ۔بات صرف ظن وتخمین ہی سے کہی جاسکتی ہے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور عبارت کی طرف اشارہ کیا ہو،بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ چلہ کے لئے نکلنا شرعاً واجب نہیں ہے اور غیر واجب کے لئے اصرار کرنا،مجبور کرنا،کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے اسلئے تبلیغی کارکنوں کا یہ طرز عمل خلاف شرع ہونیکی وجہ سے حرام ہوگا۔

پندرہواں سوال:۔غیر عالم کو وعظ کہنا کیسا ہے؟اگر کوئی غیر عالم داڑھی کٹاتا ہو اور لباس بھی غیر شرعی ہو اور وہاں علماء بھی موجود ہوں تو کیا ایسا شخص دینی مسائل بیان کرسکتا ہے،شرعاً کن شرائط کے ساتھ غیر عالم کو بات کرنے کی اجازت ہے؟

جواب:۔غیر عالم کا وعظ دو طرح کا ہوتا ہے (۱) چھ نمبر کے دائرے میں رہ کر تمرین کے لئے بیان کرنا عامی کے لئے بھی جائز ہے (۲) دین کی باتیں بیان کرنا افادہ کے لئے،اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے،،

چھ نمبر کے دائرے میں رہتے ہوئے بیان کرنا تو مشق کہلاتا ہے جیسے بچوں کو کوئی

چیز یاد کرادی جائے اور پھر سبقاً سبقاً سنی جائے تو ظاہر ہے کہ سننا سنانا سبق یاد کرنے اور مشق وتمرین کے لئے ہے نہ کہ وعظ بیان کرنے کے طور پر،اس صورت کے جائز ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟حضرت مفتی صاحب اسی سبق سنانے کو وعظ بیان کرنے سے تعبیر فرما رہے ہیں،یاد کیا ہوا سبق تنہا استاذ بھی سن سکتا ہے اور چند دیگر افراد کے سامنے بھی سنایا جا سکتا ہے اکیلے سناتا ہے تو اس کا نام تمرین ہے،مجمع کے سامنے سنائے تو مجازاً اسکو وعظ و بیان سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے ۔جس طرح مدرسوں میں بچوں کو مضامین یاد کرادئے جاتے ہیں اور وہ مائک پر کھڑے ہوکر بیان کرتے ہیں تو مقصد وعظ وبیان نہیں ہوتا بلکہ مشق وتمرین ہے تاکہ آگے چل کر اپنی بات کھل کر کہنے کا سلیقہ طالب علم کے اندر پیدا ہوجائے ۔

اور دوسری چیز ہے دین کی باتیں عوام کے سامنے بیان کرنا،اسکے لئے عالم ہونا شرط ہے ۔کیونکہ یہ تمرین نہیں،وعظ ونصیحت ہے ۔جاہل اگر بیان کے لئے ممبر پر بیٹھے گا تو وہ طرح طرح کی غلطیاں کریگا،خود بھی گمراہ ہوگا دوسروں کو بھی گمراہ کریگا،اس لئے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ،شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ،مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے جاہل کو مجمعِ عام میں بیان کرنے سے سختی سے روکا ہے،وہ بجائے بیان کرنے کے کتاب پڑھ کر سنادے،یہی بات حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم بھی فرمارہے ہیں کہ اگر دینی مسائل بیان کرنا ہو یا مجمع عام میں وعظ کہنا ہوتو پھر عالم ہی بیان کرے،جاہل کے لئے ایسے موقعوں پر بیان کرنا جائز نہیں ہے،البتہ کسی کو لفظ ''وعظ وبیان'' سے دھوکا ہوسکتا تھا۔سو

ہم نے اسکی توجیہ بیان کر دی کہ اس لفظ کا استعمال حضرت مفتی صاحب نے مجازاً کیا ہے، حقیقتاً نہیں۔ حقیقی بیان کے لئے تو وہ صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ ''اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے'' اسکا یہی مطلب تو ہوا کہ جاہل بیان نہیں کر سکتا۔

اور عامی سے مراد یہاں وہ شخص ہے جو عالم نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ فاسق و فاجر ہو، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ داڑھی مونڈنا فسق ہے، تو ایسے افراد کو مشق وتمرین کے لئے بھی کھڑا کرنے سے احتیاط کرنا لازم ہے۔ اس کام کے لئے منتخب افراد کو کم سے کم متشرع تو ضرور ہونا چاہئے۔ جسکی وضع قطع خلاف شریعت ہو اگر اس کو اس منصب پر کھڑا کیا جائیگا گو وہ مشق وتمرین ہی کے لئے ہو تو چونکہ صورتاً یہ عمل وعظ وبیان سے مشابہ ہے اس لئے عوام کے دلوں میں اس کام کی بے قدری اور حقارت کے پیدا ہونے کا خطرہ ہے نیز یہ علم دین کی توہین بھی ہے کہ علانیہ فسق وفجور کرنے والے کو یہ منصب سپرد کیا جائے۔ حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کا تعلق عامی سے ہے فاسق وفاجر سے نہیں۔ چونکہ عامۃً جماعت میں نکلنے والے پرانے لوگوں کی وضع قطع درست ہوتی ہے، اس لحاظ سے یہ بات کہہ دی گئی ورنہ اگر کہیں یہ صورت حال ہو کہ غیر شرعی لباس اور داڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کو جماعت میں بیان کرنے کے لئے لوگ کھڑا کر دیتے ہوں تو اس کو سختی سے روکنے کی ضرورت ہے۔ یہ علم دین کی توہین ہے کہ کسی نا اہل کو کھڑا کر دیا جائے۔

یہاں تک تو حضرت مفتی صاحب کے جواب کی تشریح میں عرض کیا گیا اب آیئے

دیکھتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں ہوتا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جماعت میں اب نہ کوئی ضابطہ ہے نہ اصول، اکابر علماء کے حکم کے خلاف اب دین وشریعت سے بے بہرہ لوگ اس کام کے ذمہ دار بنے ہوئے ہیں، جنھیں نہ آداب کا کوئی لحاظ ہوتا ہے نہ قواعد کا، بس منمانی خلاف شرع کام کرتے ہوئے تکثیر سواد ہی پر پوری محنت ہے اور بے ہنگم بھیڑ اکٹھی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور جاہل شخص کو بیان کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ سائل کو اسی بات پر تشویش ہے کہ اب دعوت وتبلیغ کے نام پر جاہلوں کو مجمع علماء میں وعظ وبیان کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہ بدترین صورت حال ہے۔ یاد رکھئے! اس سے بڑی گمراہی پھیل رہی ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے، بڑوں نے فرمایا ہے، انکا تکیہ کلام ہے۔ جو بات بے حوالہ اور بے سند بیان کرنی ہے اسے بزرگوں اور بڑوں کے نام لگا کر بری ہو جانا تبلیغی کارکنوں کی ایک عام عادت بن چکی ہے۔ سو اس کی تائید نہ حضرت مفتی صاحب فرما سکتے ہیں نہ دنیا کا کوئی اور عالم، اس لئے اس پر پابندی لگنی چاہئے۔

ایک بات کا تذکرہ ابھی باقی ہے ناچیز مناسب سمجھتا ہے کہ اسکو بھی ذکر میں لاکر اس پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دے دیا جائے تاکہ بات تشنہ نہ رہ جائے، یہ اشکال حضرات علماء کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے عامی کے لئے چھ نمبر کے دائرے میں رہتے ہوئے جس تمرین کی اجازت دی ہے آخر اسکا مقصد کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ جو شخص جماعت میں کچھ وقت لگا لیتا ہے اور مشق وتمرین کے

ذریعہ اسے وعظ و بیان کرنا آجاتا ہے تو اس سے مجمع عام میں بھی بیان کروایا جاتا ہے۔اور وعظ و نصیحت کے ممبر پر بٹھادیا جاتا ہے۔تو مقصد تو یہی ثابت ہوا کہ کوئی جاہل اگر چلہ لگالے تو وہ بیان کا اہل مان لیا جاتا ہے۔عالم ہو یا نہ ہو، حالانکہ مفتی صاحب خود بیان فرمارہے ہیں کہ دین کی باتیں بیان کرنے کے لئے عالم ہونا شرط ہے، تو اس شرط کی خلاف ورزی ڈنکے کی چوٹ پر جماعت والے کررہے ہیں، اور مفتی صاحب تمرین کے لئے عامی کا بیان جائز لکھ رہے ہیں۔جبکہ بڑے بڑے اکابر علماء فرمارہے ہیں کہ غیر عالم ہرگز وعظ نہ کہے، جماعت میں اکثر لوگ غیر عالم ہی ہوتے ہیں۔تو یہ بیان کرنا کس طرح جائز ہوگیا؟ اسکے علاوہ حضرات اکابر رحمہم اللہ اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اقوال میں تعارض بھی ہے۔کیونکہ اکابر کے یہاں مشق و تمرین کے نام پر کسی عامی کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ہر شخص صاف طور پر دیکھ سکتا ہے کہ جماعت میں یہ مشق و تمرین اپنے سیکھنے کے لئے نہیں ہوتی، یا اپنا سبق یاد کرنے کی طرح نہیں ہے۔بلکہ وعظ کہنے اور مجمع عام میں بیان کرنے کے لئے جاہلوں اور عامیوں کے لئے ایک تربیتی کورس ہے۔اگر اس نے جماعت میں جاکر یہ مشق بہم نہ پہنچائی ہوتی تو اسکو ہرگز علماء، یا مجمع عام کے سامنے بیان کرنے کی جرأت وہمت نہ ہوتی، یہ لوگ پورے پروگرام کے تحت نا اہل کو واعظ کی حیثیت سے کھڑا کرنے کے لئے یہ ساری مشق و تمرین کراتے ہیں اس لئے درست نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کا مطلب اوپر جو

بیان کیا گیا ہے اس سے آگے بڑھ کر اسمیں مزید غیر ضروری وسعت پیدا کرلینا اور یہ مطلب نکالنا کہ عامی شخص جب تمرین و مشق کے لئے بیان کرسکتا ہے تو عمومی طور پر بھی وہ وعظ و بیان کا اہل ثابت ہوگیا، اور یہ بات حضرات اکابر علماء کے فتووں سے متعارض و متصادم ہے۔یہ دونوں باتیں بالکل درست نہیں ہیں، کیونکہ حضرت مفتی صاحب بھی وہی فرمارہے ہیں جو اکابر علماء کی رائے ہے کہ غیر عالم مجمعِ عام میں واعظ کی حیثیت سے ہرگز وعظ و تقریر نہ کرے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے۔ہاں اپنے لئے بطور مشق و تمرین بیان کرسکتا ہے یہ بیان کرنا اپنا سبق یاد کرنے کے لئے ہے دوسروں کو وعظ و نصیحت کے طور پر نہیں۔اگر کوئی دوسروں کے لئے وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت بھی اس سے سمجھتا ہے تو اس نے فتوے کو سمجھنے میں خطاء کی۔بزرگوں کی تحریروں سے غلط مطلب نکال کر اپنا الو سیدھا کرنا اہلِ ہوا وہوس کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔جس طرح ہمارے پہلے کے اکابر علماء اہل اغراض وہوا کا نشانہ بنے، اگر اسی طرح کوئی فرد یا جماعت حضرت مفتی صاحب کی بات کو غلط معنی پہنائے تو عنداللہ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔

سولہواں سوال:۔ اسکا جواب نمبر ۹ میں آچکا ہے اس لئے مزید دہرانے کی ضرورت نہیں۔

سترہواں سوال:۔ اگر کسی نیک کام اور دینی تنظیم میں غلو اور بگاڑ عام ہوجائے، شرعی حدود پر وہ کام باقی نہ رہ جائے بلکہ اسکے ذمہ داران

سے صریح تحریف فی الدین کی باتیں صادر ہوں اگرچہ کچھ افراد معتدل بھی ہوں تو کیا ایسے کام اور طریقہ کی حمایت و نصرت کو جاری رکھا جائے یا خرابیوں کے سبب بیزار ہو کر علیحدہ ہو جائے، پھر اس کی کھل کر نکیر کرے یا خاموش رہے، شرعاً ایسی شکل میں کیا کرنا چاہئے۔

جواب: ۔صحیح طریقہ کی حمایت کی جائے اور خرابیوں کی اصلاح کی جائے، مگر غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں اللھم احفظنا منہ،،

صرف دو جملوں میں ایسا جچا تلا جواب لکھ لینا بھی ہر ایک شخص کی قدرت میں نہیں جو تمام پہلوؤں پر حاوی ہو، ہم سوال پڑھتے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ اس کا جواب مفتی صاحب نے کچھ تفصیل سے لکھا ہوگا جسمیں فقہا کی عبارات ہونگی لیکن جواب پڑھ کر حیرانی ہوئی کہ کس طرح حضرت مفتی صاحب نے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ ہم سے اگر کوئی یہ سوال کرتا تو ہم اتنی تفصیل سے لکھتے کہ صفحہ بھر جاتا کہ وہ نیک کام جسمیں غلو اور بگاڑ پیدا ہوا ہے پہلے اسکی حیثیت متعین کی جائے کہ وہ واجب ہے یا غیر واجب؟ اگر واجب ہے تو بگاڑ کی اصلاح کی جائیگی واجب کو ترک نہیں کیا جائیگا، اور اگر وہ نیک کام مباح، مستحب یا سنت کے درجے کا ہے تو اسمیں کس طرح کا فساد و بگاڑ پیدا ہوا ہے عملی یا اعتقادی؟ اگر اسمیں کوئی اعتقادی خرابی پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اس نیک کام کو واجب کا درجہ دیا جانے لگا ہے تو اس پورے عمل کو چھوڑ دیا جائیگا۔ بدلیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد بین سنۃ و بدعۃ

کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ، اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہ اپنی یگانہ روزگار تصنیف براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ پر فرماتے ہیں،

''التزام جسکو بدعت کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مباح یا مستحب کو واجب یا سنت موکدہ اعتقاد کرے یا مثل موکدات کے اسپر عمل در آمد کرے، انتہی۔

ان خرابیوں کی بنیاد پر اس پورے نظام عمل کو ترک کرنا پڑیگا، اور اگر وہ کوئی جزوی بگاڑ ہو تو اس کی اصلاح کر لی جائے، وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ اس طرح کی طول طویل تحریر کو نہ تو لوگ اب پڑھنے کے عادی رہ گئے نہ سمجھنے کے، بات مختصر ہو اور عام فہم ہو تو اس کا فائدہ ہے حضرت مفتی صاحب کی تحریر خیر الکلام ماقل و دل کی مصداق ہے۔

دیکھئے سائل نے پوچھا کہ کسی نیک کام میں غلو اور بگاڑ عام ہو جائے.....تو کیا ایسے کام اور طریقہ کی نصرت و حمایت کو جاری رکھا جائے یا علیحدگی اختیار کر لی جائے،، اب حضرت مفتی صاحب اگر یہ لکھ دیتے کہ ایسے کام کی حمایت کی جائے اور خرابیوں کی اصلاح کی جائے، تو یقیناً اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ پھر ہر غلط کام کرنے والے اس سے دلیل پکڑنے لگتے، خرابیوں کی اصلاح تو نہ ہوتی البتہ غلط کام کو فروغ ضرور مل جاتا ۔ مفتی صاحب نے اس لئے اپنے جملے میں صحیح طریقہ، کی قید لگا دی۔ اب اس سے کسی غلط کام کی تائید نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح طریقہ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اور صحیح طریقہ وہی ہے جو

شریعت کے مطابق ہو،اب کسی غیر شرعی طریقے کی اس سے تائید نہیں ہوسکتی اور یہی مفتی صاحب کے کلام کی خوبی ہے۔صحیح طریقہ ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ ہر غلط وغیر شرعی اور غیر اسلامی طریقہ اس سے خارج ہوگیا۔مسئول عنہا جماعت سے تعلق رکھنے والے بھی اپنے کسی غیر شرعی وغلط کام کی حمایت وتائید اس سے نہیں کرسکتے کیونکہ،،صحیح،،کی قید ہر غلط کام کی نفی کردے گی۔

آگے ہے’’خرابیوں کی اصلاح کی جائے‘‘ خرابی اگر حد سے تجاوز نہ کرے تو اصلاح ممکن ہوتی ہے ورنہ نہیں۔مفتی صاحب کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خرابیاں ابھی اس درجہ تک نہیں پہونچی ہیں جہاں اصلاح کا عمل غیر موثر ہوجاتا ہے تو اصلاح کی کوشش کی جائے۔امید ہے کہ حالات درست ہوجائینگے۔اور اگر اصلاح ممکن نہیں رہی یعنی جزوی خرابی سے آگے بڑھ کر اب بحیثیت مجموعی بگاڑ زیادہ ہے بھلائی کم ہے،اور ہر فرد خودرائی وخودستائی کا خوگر ہوچکا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ تنظیم کے افراد اعلیٰ واسفل میں غلو اورتحریف فی الدین کے جراثیم سرایت کرچکے ہیں تو اب ہزار اصلاحی عمل انجام دیا جائے اسکا کوئی اثر مرتب ہونے والا نہیں ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں،،مگر غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں،،۔جس طرح کینسر کے مریض کو کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی اسی طرح اسکا مرض بھی لاعلاج ہوچکا ہے اب کسی بڑے سے بڑے مفتی کے پاس اسکا علاج نہیں،اس صورت میں اس پورے نظام کو ہی مسترد اور نابود کردینے کی ضرورت ہے۔

غلو کہتے ہیں کسی کام کو اس کی حد پر نہ رہنے دینا۔اپنی مرضی سے اسمیں افراط وتفریط کرنا۔قرآن وحدیث میں غلو کی شدید مذمت بیان ہوئی ہے سائل کہہ رہا ہے کہ جماعت کے کام میں اب بہت غلو ہونے لگا ہے اور شرعی حدود سے معاملہ آگے بڑھ چکا ہے۔چھوٹے بڑے سب غلو کا شکار ہوچکے ہیں،ظاہر ہے کہ کام کی اب وہ حیثیت باقی نہیں رہ جائیگی جو پہلے تھی۔

اسی طرح ذمہ دار لوگ تحریف فی الدین کے صریح مرتکب ہورہے ہیں۔تحریف کا مطلب ہے لفظ یا معنیٰ کو بدل دینا،قرآن کے الفاظ کو بدلنا بھی تحریف ہے اور معنیٰ بدلنا بھی تحریف کہلاتا ہے۔لفظی تحریف تو کسی کے بس میں نہیں،البتہ معنوی تحریف کرنے والے بہت پیدا ہوئے۔اگرچہ وہ تحریف بھی چلنے والی نہیں کیونکہ علمائے ربانیین کھرا کھوٹا الگ کر کے رکھ دیتے ہیں اور قیامت تک اللہ کا یہ انتظام باقی رہیگا کہ باطل پرستوں کی تحریفات کو امت قبول نہیں کرسکتی۔یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین رواہ البیہقی ،خودجناب رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔اس لئے اسکا امکان تو نہیں کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہوجائے۔لا تجتمع امتی علی الضلالۃ،ہاں کچھ لوگ اس سے متاثر ہوسکتے ہیں۔اور جب ذمہ دار وبااثر لوگ تحریف کے مرتکب ہوں تو زیر اثر افراد کا متاثر ہونا یقینی ہے۔سائل نے جس تحریف فی الدین کا تذکرہ کیا ہے وہ بڑے دھڑلے سے

ہورہی ہے۔آیات واحادیث کی معنوی تحریف کی وجہ سے عقائد پر بھی اسکا اثر صاف دکھائی دینے لگا ہے۔علماء کے بار بار متوجہ کرنے کے بعد بھی حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، معاملہ جوں کا توں ہے۔بلکہ تحریفات کا دائرہ دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔موجودہ وقت میں اصلاحی کوششیں تیز ہوگئی ہیں تو بگاڑ میں بھی تیزی آئی ہے۔عجیب صورت حال ہے،مایوسی کے بادل چھائے ہیں۔اسی لئے حضرت مفتی صاحب نے آخری درجہ کی بات لکھ دی کہ ''غلواور تحریفات کا کوئی علاج نہیں'' یہ جملہ بڑی معنویت رکھتا ہے۔اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اسکا علاج ممکن نہیں،جس دین میں کفروشرک کا علاج موجود ہے،غلواور تحریف کا بھی اسمیں علاج ہے۔حضرت مفتی صاحب علاج کی نفی نہیں کررہے ہیں۔علاج کرانے کی نفی فرمارہے ہیں۔یعنی دوا تو موجود ہے لیکن مریض دوا استعمال نہیں کررہا ہے۔جب آدمی اپنے غلواور تحریف پر ضد کرکے اڑارہے اور علماء کی نصیحتوں پر کان نہ دھرے،تو اسکے راہ راست پر آنے کی امید ختم ہوجاتی ہے۔اسی بات کو حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا کہ،،کوئی علاج نہیں،،ضد کرنے والے تو نبی کی نبوت کا انکار کر بیٹھے یہاں تو علماء ہیں۔اور جب بھی کسی قوم نے غلواور تحریف کا راستہ اپنایا،پھر اسی پر جم گئی،تو اسکا علاج نہیں ہوسکا۔ایسے لوگ خدا کی نگاہ میں مردود قرار پاتے ہیں۔یہود ونصاریٰ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے،غلواور تحریف کی بدولت وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ آج تک ہدایت پر نہیں آسکے الا ماشااللہ،انھیں کی بیماریاں اس امت کو بھی لگ گئی ہیں جو گمراہی کا سبب ہیں،اور علاج

کرنے والے مایوس ہیں۔حضرت مفتی صاحب کے الفاظ بڑے مختصر ہیں لیکن اسمیں معانی کا ایک دفتر موجود ہے۔جب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدرالمدرسین،فقیہ وقت ومحدث کبیر کا یہ احساس ہے کہ اب انکا علاج ممکن نہیں رہا،یہ لاعلاج ہوچکے ہیں۔تو سمجھ لینا چاہئے کہ خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے اور صورت حال نہایت خطرناک ہے۔

سوال میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ''اگرچہ کچھ افراد معتدل ہیں'' کچھ افراد کے معتدل ہونے سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اپنی کتاب''موجودہ حالات میں دعوت وتبلیغ کا کام''میں فرماتے ہیں۔

کسی کام یا نظام میں خرابی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے منسلک تمام افراد میں وہ خرابی نظر آئے۔چند افراد میں خرابی کا پیش آنا اس کام کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے جبکہ وہ کام فرض یا واجب نہ ہو۔

اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

تدوین فقہ کے بعد اور فقہاء کی ترجیح وتصحیح کے بعد مقلد علماء کے لئے یہ کیونکر مناسب ہے کہ ائمہ فقہ کی تصریحات کو نظرانداز کرکے دور صحابہ کے واقعات سے خود استنباط کریں جبکہ انکے استنباط فقہاء کی تصریحات کے مخالف بھی ہوں،ہاں اگر کوئی مسئلہ فقہ میں نہ ملتا ہو تو متبحرین حضرات قرون اولی کے حالات وواقعات کی طرف مراجعت کریں صفحہ نمبر ۲۳۔۲۷

معلوم ہوا کہ کسی غیر واجب طریقہ میں اکثر افراد کے اندر اگر عمومی طور پر خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں تو سو فیصد لوگوں کے خراب ہونے کا انتظار نہیں کیا جائیگا بس یہی اکثر لوگوں کی خرابی کام کے غلط ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح دعوت وتبلیغ کے احکام کی فقہاء نے تصریح کر دی ہے ہمیں کوئی اب نیا استنباط کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس چودھویں صدی کے مخترعہ طریقہ کار کے دفاع واثبات کے لئے اسی طرح کے استنباط کئے گئے ہیں جو ائمہ فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہیں۔ فقہاء اگر دعوت وتبلیغ کے احکام مدون نہ کرتے تو جید علماء کے لئے استنباط کی گنجائش تھی۔

لیکن اب نہ استنباط کی گنجائش، نہ دعوت وتبلیغ کے لئے کسی نئے طریقے کو امت پر لازم کرنے کی گنجائش۔ ہاں احکام شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی جائز طریقہ کو اختیار کرنا پہلے بھی جائز تھا اب بھی جائز ہے اور قیامت تک جائز رہیگا۔ لیکن جائز اور واجب میں فرق کرنا ہر زمانے کے علماء کی ذمہ داری ہے۔ عمل کی شرعی حیثیت کو جب بھی بدلا جائیگا حکم بھی بدل جائیگا۔ اگر یہ کام پہلے جائز بھی رہا ہو تو اب حیثیت بدل جانے کی وجہ سے عدم جواز کا ہی حکم لگایا جائیگا۔ فوائد کا شمار اپنی جگہ، شریعت کے کسی حکم کی بنیاد فائدے پر نہیں، قاعدے پر رکھی گئی ہے۔ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوگا تو درست ہوگا ورنہ فائدہ چاہے جتنا زیادہ ہو اگر قاعدے کے خلاف ہوگا تو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جائیگی، بہت سے لوگ طرح طرح کے فوائد شمار کراتے ہیں اور قانون کے مقابلے میں اپنی مرضی

چلاتے ہیں۔ یہ بیماری یہودیوں سے ہمارے اندر آئی ہے کہ وہ قانون شریعت کے مقابلے میں اپنی عقلیں چلاتے تھے، ہم بھی اب یہی کر رہے ہیں۔ اور در پردہ اللہ اور رسول کو مشورہ دے رہے ہیں کہ حکم بیان کرنے سے پہلے ہم سے مشورہ کر لیجئے، کیونکہ نعوذ باللہ ہم دنیا کے حالات سے جتنے باخبر ہیں آپ نہیں ہیں یہ بہت مفید چیز ہے اس کو کرنے سے بڑا فائدہ ہوگا۔ یہ بالکل غیر اسلامی ذہن ہے۔ ایک مومن کوئی دینی کام کرنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ ہمارے رب نے ہمیں یہ کام کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں؟ رسول سے اس کام کا ثبوت ہے یا نہیں؟ صحابہؓ وتابعین اور ائمہ مجتہدین نے اسے کیا ہے یا نہیں؟ جب تک اس ذہن سے آدمی نہیں سوچے گا بدعتوں سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ بدعت کوئی بد دین نہیں ایجاد کرتا، یہ صوفیا ومشائخ اور مغلوب الحال بزرگوں کے یہاں پیدا ہوتی ہے اور پھر ڈھیر سے ڈھیرے لوگ اسی بدعت کو اس بزرگ کے حوالے سے پوری دنیا میں پھیلا دیتے ہیں۔ فقہاء نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ پوری دنیا میں کسی عمل کا شیوع اسکے سنت ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور اسے سنت سمجھتے ہیں انکی پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ قوانین شریعت سے اس کے جائز ہونے کا ثبوت پیش کریں اور فقہاء نے جو اصول مرتب کئے ہیں اسپر اسکو منطبق کر کے دکھائیں، عمل کے جائز ہونے کے لئے یہ پہلا زینہ ہے۔ بغیر اس کو طے کئے ہوئے آگے بڑھنا اس آیت کا مصداق ہوگا۔ الذین ضل سعیهم فی الحیاۃ الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا،،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں میں غلو کا مرض پیدا ہوگیا ہے جیسا کہ خود حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے "اسباب واعمال" مصنفہ مفتی زید صاحب ندوی کے مقدمے میں تحریر فرمایا ہے کہ "تبلیغ میں مشغول حضرات اپنے کام میں غلو کرتے ہیں اور اسباب کو سرے سے کنڈم کرتے ہیں انکا یہ طرز عمل صحیح نہیں" اسی طرح حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات نے حضرت لاہوریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرتؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (امیر تبلیغ) کیطرف متوجہ ہوکر فرمایا

"ایک بات یادرکھئے کہ کسی حق پرست جماعت کا باطل پرستی کیطرف پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ ہمارے سوا دوسری کوئی دینی جماعت حق پر نہیں ہے اور ہماری جماعت کی بقا دوسروں کی فنا ہی کی صورت میں ہوسکتی ہے۔ دیکھنا آپ کی جماعت میں کہیں یہ احساس وتاثر نہ پیدا ہوجائے۔

(اسباب واعمال صفحہ نمبر ۲۵۔۲۶)

"قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" آج یہی صورت حال ہو چکی ہے۔ اسکے لئے یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ الحاج ابراہیم یوسف باوا اپنے رسالہ التبلیغ میں لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا نخی داد خوستی مدظلہ بعد دعا سلام پاکستان سے لکھتے ہیں۔

خیر پور میرس سندھ میں ایک رئیس کے یہاں بھائی عبدالوہاب رائے

ونڈ والے کی دعوت تھی جسمیں چند علماء کو بھی مدعو کیا گیا تھا ان میں خیر پور کے مشہور عالم مولانا بدرالدین صاحب بھی تھے اور میں بھی تھا کھانے کے بعد میزبان نے حاضرین سے کہا کہ آپ حضرات ذرا توجہ فرمائیں اب حضرت (عبدالوہاب) کچھ ارشاد فرمائینگے ـــــ بھائی عبدلوہاب نے بیان شروع کیا اور اس میں یہ کلمات کہے۔ دیکھئے جبتک دینی مدارس ختم نہ ہوجائیں ہماری (تبلیغ) مشن کامیاب نہیں ہوسکتی حضرت مولانا بدرالدین مدظلہ نے فوراً ٹوکا کہ جناب یہ کونسی مشن ہے جو مدارس کے ختم ہونے کے بعد ہی کامیاب ہو سکتی ہے ذرا وضاحت کریں...... بھائی عبدلوہاب نے حضرت مولانا بدرالدین صاحب دامت برکاتہم کی طرف متوجہ ہوکر کہا میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ مدارس بالکل ختم کردئے جائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر گھر مدرسہ بن جائے۔ حضرت مولانا بدرالدین صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ جناب آج میں سمجھ گیا کہ آپ لوگوں کے عزائم کیا ہیں؟ اب آپ کی ان رکیک تاویلوں سے بات نہیں بن سکتی۔ فرما کر مولانا موصوف اور ان کے ساتھ علماء سب چلے گئے۔

ادارتی تبصرہ۔ اس طرح کے رکیک حملے مرکز نظام الدین کے مولانا سعد اور برطانیہ کے امیر حافظ محمد پٹیل بھی کرتے ہیں یہ ناپاک عزائم اور

فاسد پروگرام دشمنان اسلام کے ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انکے ایجنٹ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے دین کی حفاظت فرمائیں۔

مزید لکھتے ہیں۔

پاکستان کے بڑے لیڈر نے مرکز رائے ونڈ کے ایک عالم دین کو کہا کہ اب تک تمہارے دل ودماغ سے جلالین اور مشکوٰۃ کا نشہ نہیں اترا جوتم بار بار اسکی باتیں کرتے ہو۔۔۔بس تبلیغ میں نکلنے اور نکالنے کی ہی باتیں کرو،،

(التبلیغ برطانیہ جلد نمبر ۲ ذی الحجہ ۱۴۲۱ ہجری مارچ ۲۰۰۱ شمارہ نمبر ۲ انمبر ۲۸)

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے جوابات کی تشریح مکمل ہوئی،اسمیں کوئی غلطی ہوتو ازراہ کرم ونوازش حضرات علماء کرام ناچیز کو مطلع فرمائیں انشاءاللہ غلطی ثابت ہو جانے پر حق بات کو قبول کرنے میں ذرا بھی تامل اور دیر نہیں ہوگی۔

فقط

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

العبد محمد عرفان الحق غفرلہ المظاہری فتوحۂ الہ آباد